ANWAR JALALPURI KI GHAZLIYA SHAIRI KA FIKRI WO FUNNI MUTALIYA

A dissertation submitted to the University of Hyderabad in partial fulfilment of the requirement for the award of the degree of

MASTER OF PHILOSOPHY

submitted By

ABIROO RIYAZ

Under the supervision of

Dr MD. ZAHIDUL HAQUE

Department of Urdu, School of Humanities

University of Hyderabad

Hyderabad-500046

2019

انور جلال پوری کی غزلیہ شاعری کا فکری وفنی مطالعہ

مقالہ برائے

ایم۔فل (اردو)

Reg. No: 18HUHL09

مقالہ نگار

آبرو ریاض

نگراں

ڈاکٹر محمد زاہد الحق

شعبۂ اردو، اسکول آف ہیومانیٹیز

یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد-500046

2019

DECLARATION

I Abiroo Riyaz hereby declare that this dissertation entitled **"ANWAR JALALPURI KI GHAZLIYA SHAIRI KA FIKRI WO FUNNI MUTALIYA"** submitted by me under the guidance and supervision of ***Dr. Md. Zahidul Haque,*** is a bonafide research work which is also free from plagiarism. I also declare that it has not been submitted previously in part or in full to this University or any other University or Institution for the award of any degree or diploma. I hereby agree that my dissertation can be deposited in Shodganga/INFLIBNET.

Date_______________

Abiroo Riyaz

Signature of the Student

Reg. No. 18HUHL09

//Countersigned//

Signature of Supervisor

فہرست

پیش لفظ	2
باب اوّل: انور جلال پوری: حیات اور شخصیت	6
باب دوم: انور جلال پوری کے ادبی کارنامے	37
باب سوم: انور جلال پوری کی غزلیہ شاعری کا فکری وفنی مطالعہ	81
ماحصل	130
کتابیات	137

پیش لفظ

پیش لفظ

سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے مجھے پڑھنے لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس کے بعد درود وسلام اس آقائے نامدار کے لیے جس کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو زندگی بخشی ہے۔

تحقیقی کام میں پہلا مرحلہ موضوع کے انتخاب کا ہوتا ہے جو سب سے بڑا اور اہم مسئلہ ہوتا ہے۔ انور جلال پوری کا ایک ادبی گوشہ میں نے رسالہ نیا دور جولائی 2018 میں پڑھا جس سے میں بہت متاثر ہوئی۔ اس لیے جب ایم۔فل کے دوران موضوع کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو میں نے اپنے نگراں ڈاکٹر محمد زاہد الحق سے انور جلال پوری پر کام کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ انھوں نے انور جلال پوری غزلیہ شاعری پر کام کرنے کا مشورہ دیا۔ رب العزت کے رحم وکرم سے میرا موضوع ''انور جلال پوری کی غزلیہ شاعری کا فکری وفنی مطالعہ'' منتخب ہوا۔ جو میرے لیے بہتر اور مفید ثابت ہوا۔

اس مقالے کو میں نے اپنے نگراں کے مشورے اور رہنمائی سے تین ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

باب اوّل: انور جلال پوری: حیات اور شخصیت

یہ باب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں انور جلال پوری کے خاندان، والدین، پیدائش، تعلیم، ملازمت، شادی، اولاد، ادبی سفر کا آغاز، تخلیقات، اعزازات اور وفات کا ذکر ہے۔ دوسرے حصے میں انور جلا پوری کی شخصیت کو پیش کیا گیا ہے۔ جس میں حلیہ، لباس، غذا، معمولات، مزاج، انداز گفتگو، بہ حیثیت انسان وغیرہ پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

باب دوم: انور جلال پوری کے ادبی کارنامے۔

اس باب میں انور جلال پوری کی تصانیف پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ جن میں غزلوں

کے مجموعے،منظوم تراجم،نعتیہ مجموعے،نثری مضامین کے مجموعے،منظوم سیرت وسوانح شامل ہیں۔

باب سوم: انور جلال پوری کی غزلیہ شاعری کا فکری وفنی مطالعہ۔

یہ باب میرے مقالے کا اہم اور خاص باب ہے۔اس میں راقمہ نے انور جلال پوری کی غزلیہ شاعری کے فکری وفنی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی سعی کی ہے۔

اس کے بعد ماحصل جس میں تمام ابواب کا نچوڑ اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔آخر میں کتابیات کے تحت ان تمام کتابوں اور رسالوں کی فہرست دی گئی ہے جو مقالہ لکھنے کے سلسلے میں معاون و مددگار ثابت ہوئے ہیں۔

میں صدر شعبۂ اردو یونی ورسٹی آف حیدرآباد پروفیسر حبیب نثار صاحب کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنھوں نے ہر موڑ پر میری رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی۔اللہ تعالیٰ سے دعائے خیر ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر طویل واقبال بلند کرے۔آمین!

میں شکر گزار ہوں اپنے نگراں ڈاکٹر محمد زاہد الحق صاحب کی جنھوں نے ایک شفیق استاد کی طرح نگاراں کا حق ادا کیا اور جب کبھی ضرورت پڑی مجھے وقتاً فوقتاً اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ڈاکٹر محمد زاہد الحق کا میں اس لیے بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انھوں نے مواد کی فراہمی میں میری مدد فرمائی اور دوران تحقیق ان کی مخلصانہ شفقتوں نے میرے مقالے کے کام کو آسان بنایا۔

میں اپنے والدین کی بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے اعلیٰ تعلیم کے لیے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی اور مجھے ریاست جموں وکشمیر سے باہر تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دی۔خاص طور پر اپنے والد محترم ریاض احمد حجام صاحب کی ممنون ہوں کہ انھوں نے ہر قدم، ہر مرحلے پر میرا ساتھ دیا۔اس کے علاوہ اپنی والدہ محترمہ شگفتہ نسرین اور اپنی بہنوں کی شکر گزار ہوں جن کی دعاؤں سے میں اپنے مقالے کو پائے تکمیل

تک پہنچانے میں کامیاب رہی۔

یہ میری نااہلی ہوگی کہ اگر میں انور جلال پوری کے صاحب زادے ڈاکٹر جاں نثار عالم کا شکریہ ادا نہ کروں کیوں کہ انھوں نے اپنی مصروفیات کے باوجود میرے مقالے کی تکمیل میں اپنا پورا تعاون پیش کیا۔انٹرویو کے دوران پوچھے گئے سوالات کے جوابات انھوں نے بڑی خوش مزاجی کے ساتھ دیے ج کے لیے میں ان کی بے حد شکر گزار ہوں۔

علاوہ ازیں میں ان تمام رفیقوں اور دوستوں کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنھوں نے مجھے ہر قدم پر اپنا تعاون فراہم کیا جن میں تہویر احمد راتھر،صریر احمد بٹ، بلال احمد میر،اظہر جمال،شازیہ اشرف، عشرت رسول،اسما شکیل،گلنارا خاتون،قرۃ العین،صباح گل،سائمہ بشیر،تابندہ رخسار وغیرہ۔

آبرو ریاض

باب اول

انور جلال پوری: حیات اور شخصیت

حیات

خاندان/آباواجداد:

انور جلال پوری کے جد اعلا برہمن تھے جو موضع نریاؤں سے تعلق رکھتے تھے۔انھوں نے 1820 سے 1830 کے درمیان اسلام قبول کیا۔موضع نریاؤں میں وہ کپڑے بُنائی کا کام کرتے تھے۔ جلال پور میں بھی اس صنعت پر بڑا کام ہورہا تھا۔اس لیے انھوں نے موضع نریاؤں سے جلال پور ہجرت کی اور ہمیشہ کے لیے جلال پور کے ہو کر رہ گئے۔اس کا ذکر خود انور جلال پوری نے اپنی کتاب ''روشنائی کے سفیر'' میں کیا ہے:

> ''دین محمد کے والد موضع نریاؤں کے رہنے والے کوئی برہمن جنھوں نے 1830 اور 1820 کے درمیان اسلام قبول کیا تھا۔ یہ بات مجھے نسلاً بعد نسلٍ معلوم ہوئی ہے۔نریاؤں کا موضع جلال پور سے کوئی 35 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔وہاں بھی کئی صدی سے کپڑے کی بُنائی کا کام ہوتا رہا۔جلال پور بھی اس صنعت کی بڑی آبادی تھی۔ظاہر ہے چھوٹی جگہ کا آدمی تبدیلیٔ خیالات کے ساتھ ساتھ تبدیلیٔ آب وہوا بھی چاہتا ہے۔اس نفسیاتی حقیقت کے پیش نظر میرے جد اعلیٰ نے بھی موضع نریاؤں کو الوداع کہا اور جلال پور میں سکونت اختیار کر لی۔''[1]

پردادا:

انور جلال پوری کے پردادا کا نام دین محمد تھا۔ وہ لمبے قد والے، گیسو دراز اور کشتی کے شوقین تھے۔ دین محمد کا شمار اپنے وقت کے مشہور تیراکوں میں ہوتا تھا۔ دین محمد دکھنے میں تو دبلے پتلے تھے لیکن طاقتور اتنے تھے کہ اپنے بالوں کے سہارے دو نو جوانوں کو تیر کر دریا پار کرا دیتے تھے۔

دادا:

انور جلال پوری کے دادا علی محمد بھی اپنے والد کی طرح دبلے پتلے اور لمبے قد والے آدمی تھے۔ انھیں عربی اور اردو پر کافی عبور حاصل تھا۔ وہ بڑے خوش مزاج اور نرم طبیعت کے مالک تھے۔ علی محمد اپنے گھر کے چبوترے پر ہر شام ایک محفل سجایا کرتے تھے جس میں وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر دیر رات تک دین و دنیا کے مختلف موضوعات پر گفتگو کیا کرتے تھے۔

والد:

انور جلال پوری کے والد محمد ہارون 1902 میں پیدا ہوئے۔ وہ حافظ قرآن تھے اور مدرسہ ندائے حق کے سرپرست اور منیجر بھی تھے۔ اردو اور فارسی سے بھی بہ خوبی واقف تھے۔ محمد ہارون بزرگان دین سے کافی عقیدت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دوشنبہ کو وہ جلال پور سے 70 کلومیٹر کا فاصلہ پیدل طے کر کے حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کی درگاہ پر حاضری دیتے تھے۔ اس حوالے سے انور جلال پوری اپنی کتاب ''روشنائی کے سفیر'' میں یوں رقم طراز ہیں:

> ''حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانیؒ سے انھیں خصوصی عقیدت تھی۔ اس عقیدت کی عملی شکل یہ تھی کہ ہر دوشنبہ کو جلال پور سے کچھوچھہ درگاہ شریف وہ پیدل جایا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ 1948 سے لے کر 1980 تک جاری رہا

۔جلال پور سے درگاہ شریف کا فاصلہ 70 کلومیٹر ہے۔ وہاں تک پیدل
جانے کی وجہ غربت نہیں بلکہ بے پناہ عقیدت تھی۔'' ۲

محمد ہارون اپنے امتیازی لباس سفید کرتا، سفید ٹوپی اور سفید لنگی کی وجہ سے قصبہ جلال پور میں ایک الگ شان بنائے ہوئے تھے۔ وہ نہایت شریف اور مخلص انسان تھے۔ وہ نہ صرف اپنے بچوں بلکہ نوکر، نوکرانیوں کے ساتھ بھی بڑی شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے ایک یتیم اور بے سہارا لڑکی نصیب النسا کی پرورش اپنے سگے بچوں کی طرح کی اور بڑی آن بان کے ساتھ اس کو گھر سے رخصت کیا۔ محمد ہارون 6 دسمبر 1980 کو ایک سال کی طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔

محمد ہارون کی شخصیت بڑی مقناطیسی تھی۔ ان کے اردگرد ہمیشہ احباب کا ایک گروہ رہتا تھا۔ اپنے والد کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے محمد ہارون بھی اپنے گھر کے چبوترے پر محفل سجایا کرتے تھے جس میں اس وقت کے تمام علمی و ادبی اور دانشور لوگ شرکت کیا کرتے تھے جن میں حاجی محمد یونس، حاجی عبدالصمد، حاجی نور محمد مہتو، صوفی دوست محمد، منشی رجب، مولوی شفیق احمد، ابوسحر، پیر محمد چیئرمین، احمد حسین چیئرمین، منشی امانت حسین، منگر بابو، عبدالرحمٰن، حافظ شمس الدین، عبدالحق اور حافظ محمد ابراہیم شامل ہیں۔ اس ضمن میں انور جلال پوری لکھتے ہیں:

''میرے والد کی شخصیت بڑی مجلسی شخصیت تھی۔ ان کی ذات میں بڑی مقناطیسیت تھی۔ ان کا وجود شرافت اور تہذیب کی ایک شمع کی طرح تھا جس کے گرد شام ہوتے ہی ان گنت نہیں بلکہ کچھ گنے چُنے مہذب اور ذہین پروانے اکٹھا ہوجاتے تھے۔ میرے گھر کے سامنے کا چبوترا قصبے کے دانشوروں کا مرکز بنا رہتا تھا۔ یہ محفل بعد نماز مغرب سج جاتی تھی اور تقریباً

نصف شب ختم ہوتی تھی۔'' [۳]

پیدائش:

انور جلال پوری کے والد محمد ہارون نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی شادی 1926 میں مشہور بزرگ حضرت شاہ شمس الدین کی بہن سے کی۔ لیکن وہ بہت کم عمری میں انتقال کر گئیں۔ اس لیے انھوں نے 1934 میں افضل النسا نام کی خاتون سے دوسری شادی کی جن کا تعلق بھولے پور سے تھا۔ ان کے بطن سے چھ اولادیں ہوئیں۔ پانچ بیٹے انور احمد، ابوالکلام، بدر عالم، اظہار عالم، شہنشاہ عالم اور ایک بیٹی شاہدہ خاتون۔ افضل النسا نے اپنے بچوں کی بہت اچھی تربیت کی۔ ان کا انتقال 1993 میں ساٹھ سال کی عمر میں ہوا۔

محمد ہارون کے یہاں 12 سال تک کوئی اولاد نہ تھی۔ آخر کار بڑی منت کے بعد ان کے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جس کا نام انور احمد رکھا گیا۔ لیکن ادبی دنیا میں وہ انور جلال پوری کے نام سے مشہور ہوئے۔ انور جلال پوری 8 مئی 1946 میں قصبہ جلال پور ضلع امبیڈکر نگر اتر پردیش میں تولد ہوئے۔ لیکن سرٹی فکیٹ کے اعتبار سے ان کی تاریخِ پیدائش 6 جولائی 1947 ہے۔ اس کا ذکر خود انور جلال پوری نے اپنی کتاب ''روشنائی کے سفیر'' میں کیا ہے:

''میری تاریخ پیدائش 8 مئی 1946 ہے جب کہ میرے تعلیمی رکارڈ میں یہ 6 جولائی 1947 ہے۔'' [۴]

بچپن اور گھریلو ماحول:

انور جلال پوری کے گھر کا ماحول علمی و ادبی تھا۔ ان کے والد شاعر تو نہیں تھے لیکن شاعرانہ ذہن

رکھتے تھے۔ علامہ اقبال، حفیظ جالندھری اور شفیق جونپوری ان کے پسندیدہ شاعر تھے۔ وہ اکثر حفیظ جالندھری کی شاہنامۂ اسلام اور شفیق جونپوری کے اشعار ترنم سے اپنے بچوں کو سناتے تھے۔ زائرحرم حمید صدیقی لکھنوی کی ''گل بانگ'' ان کے پاس ہمیشہ موجود رہتی تھی۔ انور کی نثری، تقریری اور شعری صلاحیتوں کو ابھارنے میں ان کے والد کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ ان کے گھر میں ہر شام ایک محفل سجا کرتی تھی۔ گرمیوں میں یہ محفل گھر کے باہر چبوترے میں اور سردیوں میں گھر کے باہری کمرے جو بارہ فٹ چوڑا اور سولہ فٹ لمبا تھا، میں سجا کرتی تھی۔ انور جلال پوری بھی اس محفل میں بیٹھ کر اپنے والد اور ان کے ہم عصروں کی قیمتی اور پُر مغز گفتگو سنا کرتے تھے جس نے ان کی ادبی شخصیت کو نکھارنے میں کلیدی رول ادا کیا۔ یہیں سے انور جلال پوری کی ذہنی تربیت کا آغاز بھی ہوا۔ اپنے ایک انٹرویو میں انور جلال پوری کہتے ہیں:

> ''میرا بچپن غربت اور شرافت کے راستوں سے ہو کر آگے بڑھا۔ میرے والد امیر تو نہیں تھے لیکن دل کے رئیس تھے میں جس قصبے جلال پور کا رہنے والا ہوں وہاں کی جتنی دانشور شخصیتیں تھیں، جتنی علمی اور ادبی شخصیتیں تھیں وہ میرے والد کے ہمعصروں میں تھیں اور میرے دروازے پر ایک محفل سجی رہتی تھی۔ میں بہت چھوٹی عمر کا تھا اپنے والد کی چار پائی کے پائے تانے بیٹھا رہتا تھا۔ میرا کام یہ تھا کہ ان بزرگوں کو پانی پلاؤں، پان لا کے کھلاؤں۔ یہ میرا کام تھا۔ تو میں سمجھتا ہوں میرے والد کی جو محفل تھی ان کے جو ہمعصر تھے ان کی باتوں کا میرے اوپر بہت اثر پڑا اور ایک طرح میری ابتدائی تعلیم اور تربیت اسی ماحول سے ہوئی جس کو میرے والد نے تشکیل کیا تھا۔'' ۵

تعلیم:

انورجلال پوری نے پرائمری تعلیم مدرسہ اسلامیہ جلال پور سے حاصل کی جہاں ان کے استاد امجد علی رہے۔اس کے بعد نریندر دیو انٹر کالج جلال پور سے انٹرمیڈیٹ پاس کیا۔اس کالج میں انھیں مولوی ضمیرالدین اور ڈاکٹر بھونیشور پرساد جیسے اساتذہ سے فیض حاصل کرنے کا موقع ملا۔نریندر دیو کالج میں ہی انورجلال پوری نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا اور ساتھ ہی ساتھ وہ مقابلہ جاتی بحث ومباحثے میں بھی حصہ لینے لگے۔اپنی تقریری قابلیت کی بدولت ہی انھیں 1962 میں کالج کی یونین کی سکریٹری شپ کے لیے منتخب کیا گیا۔اس واقعے کا تذکرہ کرتے ہوئے انورجلال پوری کہتے ہیں:

''اس وقت نہ تو میری عمر ہی تھی نہ تو میری کمیونٹی اور سماج کے لوگ ہی زیادہ تھے اس کے باوجود ایک عام خاندان کے عام بچے کا منتخب ہونا اہم بات تھی۔ یقیناً یہ سب میری لفظی اور تقریری صلاحیت کی ابتدائی نشونما کا ہی نتیجہ تھا۔''

۶ؔ

کالج یونین کی سیکریٹری شپ کے علاوہ وہ اردو بزم ادب کے سکریٹری اور صدر بھی رہے۔ انٹرمیڈیٹ پاس کرنے کے بعد انورجلال پوری نے ملک زادہ منظور احمد کے مشورے سے 29 جولائی 1964 میں شبلی کالج اعظم گڑھ میں داخلہ لیا۔مگر اگلے ہی مہینے ملک زادہ منظوراحمد کو اعظم گڑھ سے گورکھپور یونی ورسٹی میں منتقل کیا گیا۔اس لیے انورجلال پوری کو ملک زادہ منظور احمد سے تعلیم حاصل کرنے کا موقع فراہم نہیں ہوا۔ اس بات کا ذکر خود ملک زادہ منظور احمد نے اپنے مضمون ''پاکیزہ روشنائی کا شاعر: انورجلال پوری''میں کیا ہے:

''انھوں نے (انورجلال پوری) جس برس شبلی کالج میں داخلہ لیا میں اعظم

گڑھ سے گورکھپور یونی ورسٹی کے شعبۂ ادبیات اردو میں منتقل ہوگیا اور مجھے انور کو پڑھانے کا شرف نہ مل سکا۔مگر یہ انور کی شرافت نفس ہے کہ وہ ہمیشہ مجھے استاد ہی گردانتے رہے۔'' ۷

شبلی کالج اعظم گڑھ میں انور جلال پوری نے انگریزی لٹریچر اور اردو لٹریچر کا تقابلی مطالعہ کیا۔ 1965 میں انور جلال پوری کالج لائبریرین فیض الرحمٰن کے توسط سے شبلی کالج میگزین کے ایڈیٹر بنے اور انھوں نے ایک معیاری میگزین نکالا۔نومبر 1964 میں انور جلال پوری شبلی اکیڈمی کے پچاس سالہ جشن میں بطور والنٹیئر شریک ہوئے،اس بات پر انور کو فخر تھا۔

1966 میں گریجویشن مکمل کرنے کے بعد انور جلال پوری نے اپنی دلچسپی اور والدین کی خواہش پر علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں ایم۔اے انگریزی میں داخلہ لیا۔اس یونی ورسٹی میں انھیں اسلوب احمد انصاری (صدر شعبۂ انگریزی) سے انگریزی Prose اور زاہدہ زیدی سے امریکن لٹریچر پڑھنے کا موقع ملا۔علی گڑھ میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے اپنے حلقۂ احباب اصغر وجاہت، ہمایوں ظفر زیدی، ریاض پنجابی اور الطاف حسین صاحب کے ساتھ مل کر ایک ادبی تنظیم ''ہم راہی'' کی بنیاد ڈالی۔ 1968 میں اس تنظیم کے زیر اہتمام ایک بڑا جلسہ منعقد کیا گیا۔جس میں پروفیسر آل احمد سرور، اسلوب احمد انصاری، معین احسن جذبی جیسے ادیبوں نے شرکت کی۔اس ماحول نے ان کے علمی اور ادبی شعور کو جلا بخشی۔

1978 میں انور جلال پوری نے رام منوہر لوہیا اودھ یونی ورسٹی فیض آباد سے اردو میں ایم۔اے کیا۔فیض آباد یونی ورسٹی میں ہی انھوں نے 1982 میں پی ایچ۔ڈی کے لیے رجسٹریشن کیا۔ موضوع ''گیتا کے اردو منظوم ترجمے اور ان کا تنقیدی جائزہ'' تھا جو مکمل نہ ہوسکا۔اس حوالے سے وہ اپنے

ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

''مجھے جب پی ایچ۔ڈی کرنے کا شوق ہوا تو ذہن میں یہ تھا کہ کچھ نہ کچھ نیا ہونا چاہیے۔تو اس نیا ہونے میں میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ ہندوستان کی ایک بڑی عظیم کتاب ہے جسے مذہبی کتاب بھی سمجھا جاتا ہے......حالانکہ وہ مذہب سے زیادہ انسانی زندگی کو سنوارنے والی کتاب ہے۔اس میں بہت سی تعلیمات ایسی ہیں جو انسانیت کے لیے نہایت کارآمد ہیں۔تو میرے ذہن میں آیا میں اس کتاب (گیتا) پر Ph.D کروں۔ چنانچہ اودھ یونی ورسٹی فیض آباد میں 1982 میں رجسٹریشن بھی کروایا۔''گیتا کے اردو منظوم ترجمے اور ان کا تنقیدی جائزہ''لیکن جب میں نے پڑھنا شروع کیا تو مجھے یہ معلوم ہوا کہ پچھلے دیڑھ سو برسوں میں گیتا کے شاعری میں صرف دو ترجمے ہوئے ہیں اور نثر تقریباً 60 ترجمے ہوئے ہیں......مجھے لگا یہ کام بہت پھیلا ہے شاید میں انصاف نہ کرسکوں گا اور ظاہر ہے آدمی جس کام سے انصاف نہ کرسکے وہ کام نہیں کرنا چاہیے پھر یہ چھوٹ گیا لیکن میری دیوانگی سلامت رہی''۸؎

ملازمت:

جون 1968 میں ایم۔اے انگریزی کی سند حاصل کرنے کے بعد انور جلال پوری ملازمت کی تلاش میں تھے۔اس سلسلے میں انھوں نے اپنے بچپن کے دوست شبیر حسین کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے''پروئیا آشرم اسکول'' کے پرنسپل شری رادھے موہن دویدی سے ملاقات کی جنھوں نے انور جلال

پوری کو انگریزی ٹیچر کے عہدے پر فائز کیا۔ پروئیا آشرم ان دنوں ہائی اسکول تھا۔ لیکن پرنسپل کی کوششوں سے یہ ترقی کرتے کرتے کالج میں منتقل ہوگیا۔ ادیب کامل کی بنیاد پر انور جلال پوری کو دوسرے برس اردو کا لکچرر بنادیا گیا۔ پروئیا آشرم میں دو سال کام کرنے کے بعد انور جلال پوری 1970 میں مرزا غالب جونیئر ہائی اسکول میں بحیثیت ہیڈ ماسٹر تعینات ہوئے۔ غالب جونیئر اسکول کی بنیاد انور جلال پوری نے اپنے چند احباب کے ساتھ مل کر رکھی جن میں شبیر حسین، ڈاکٹر قمر الزماں انصاری، ظفر حسین اور منیر احمد شامل ہیں۔ یہ غالب کو سچی خراج عقیدت کا نادر و نایاب نمونہ ہے۔ اس حوالے سے انور جلال پوری اپنے مضمون ''میں خود کو باندھنے میں کئی بار کھل گیا'' میں یوں رقم طراز ہیں:

> ''1969 کا سال مرزا اسداللہ خاں غالب کی صد سالہ برسی منائے جانے کا سال تھا۔ علمی طور پر غالب کی عظمت کو تسلیم کیا جارہا تھا۔ میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ غالب کو خراج عقیدت پیش کرنے کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہے کہ ان کے نام پر کوئی تعلیمی ادارہ کھول دیا جائے۔ چنانچہ ہم لوگوں نے مئی، جون میں چندہ اکٹھا کرنا شروع کیا اور یکم جولائی 1969ء کو مرزا غالب جونیئر اسکول کے نام سے ادارے نے جنم لیا۔'' 9

غالب جونیئر اسکول میں انور جلال پوری تین سال اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد 15 فروری 1973 کو نریندر دیو انٹر کالج میں انور جلال پوری کا تقرر بہ حیثیت انگریزی لکچرر ہوا۔ وہ جولائی 2008 میں اس کالج کے وائس پرنسپل بنے۔ 37 سال نریندر دیو انٹر کالج میں اپنی خدمات انجام دینے کے بعد 30 جون 2008 کو ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔ دوران ملازمت جن شخصیات نے انھیں متاثر کیا ان میں بی۔ پی پانڈے، مولوی ضمیر الدین اور برج باسی سنگھ شامل ہیں۔

انورجلال پوری ٹی وی کی دنیا سے بھی وابستہ رہے۔اس کے علاوہ بڑے پردے پر ابھیشیک چوبے کی فلم ''ڈیڑھ عشقیہ'' میں مادھوری دکشت اور نصیرالدین شاہ کے ساتھ مشاعرے کی نظامت کرتے ہوئے نظر آئے۔

امتیازی رکنیت:

چیئرمین: اتر پردیش مدرسہ بورڈ

صدر اور منیجر: مرزا غالب انٹرمیڈیٹ کالج جلال پور

ایگزیکیٹو کمیٹی ممبر: اتر پردیش اردو اکادمی

ممبر: خواجہ معین الدین چشتی اردو، عربی، فارسی یونی ورسٹی

ممبر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

ممبر: اتر پردیش حج کمیٹی

ممبر: ضلع لوک عدالت امبیڈکر نگر

مدرسہ بورڈ کے چیئرمین کی حیثیت سے انورجلال پوری کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے بورڈ کے نصاب کو جو خالص مشرقی اور قدیم تھا، جدید کیا۔اس تعلق سے انھوں نے اس نصاب میں انگریزی کے ساتھ ساتھ ریاضی اور سائنس کے مضامین بھی شامل کیے تاکہ دینی درس گاہوں کے بچے بھی زمانے کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کے قابل بن سکیں۔

شادی:

انورجلال پوری نے 1966 میں اپنے والدین کی مرضی سے شادی کی۔اس وقت انورجلال

پوری علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں زیر تعلیم تھے۔انور جلال پوری کی شادی قصبہ جلال پور میں ہی پڑھے لکھے خاندان میں عالمہ خاتون سے ہوئی۔ عالمہ خاتون عبدالوحید کی بیٹی ہیں۔عبدالوحید Social Worker تھے۔انھوں نے اپنی بیٹی کوتعلیم کے ساتھ ساتھ اچھی تربیت بھی دی تھی۔عالمہ خاتون بہت مہذب اور شاعرنواز خاتون ہیں۔انور جلال پوری کے گھر میں اکثر شعرا کا آنا جانا لگا رہتا تھا اور عالمہ خاتون بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ ان کی خاطر مدارات میں لگی رہتی تھیں۔قمر گونڈوی کا ایک دفعہ ان کے گھر جانا ہوا تو عالمہ خاتون نے کیسی اپنائیت سے ان کی خاطر مدارات کی ،اس کا ذکر انھوں نے اپنے مضمون ''انور جلال پوری کا ادبستان'' میں کچھ اس انداز سے کیا ہے:

> ''میرا جب جی چاہا انور بھائی کے گھر پہنچ گیا......کچھ دیر بعد کھانے کا ٹرے ڈائینگ ٹیبل پر سج جاتا پھر بیگم انور جلال پوری ہونٹوں پرخلوص واپنائیت کا تبسم بکھیرے اپنا دوپٹہ سنبھالتے کمرے میں داخل ہوتی اور فرماتی فون پر بتادیتے تو اچھا ہوتا۔اب اسی رات کی سبزی دال روٹی سے پیٹ بھرو بیگم صاحبہ کو کیا معلوم ان کی اس اپنائیت میں جو خلوص شامل ہے میرے لیے یہ مغل دربار کے ڈش سے کہیں بہتر ہے۔'' [10]

ازدواجی زندگی:

انور جلال پوری اور عالمہ خاتون کی ازدواجی زندگی بڑی خوشگوار رہی۔ دونوں آپس میں دوستوں کی طرح رہتے تھے۔انور جلال پوری اکثر مشاعروں کے سلسلے میں گھر سے باہر رہتے تھے۔ وہ دن میں کئی مرتبہ اپنی بیوی کوفون کرکے خیر وعافیت پوچھتے تھے۔

اولاد:

مارچ 1968 میں انور جلال پوری کے بڑے بیٹے محمد شہر یار پیدا ہوئے۔ محمد شہر یار اودھ یونی ورسٹی سے اردو میں اور الہ آباد یونی ورسٹی سے پولیٹکل سائنس میں ایم۔اے کی ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں۔ اس وقت محمد شہر یار غالب انٹر میڈیٹ کالج کے منیجر ہیں جس کی بنیاد انور جلال پوری نے 1969 میں غالب کی صد سالہ برسی پر ڈالی تھی۔ محمد شہر یار شاعر بھی ہیں اور شاعری میں اپنا تخلص شہر یار جلال پوری استعمال کرتے ہیں۔ محمد شہر یار کے بعد انور جلال پوری کے یہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام نزہت رکھا گیا۔ نزہت نے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے پولیٹکل سائنس میں ایم۔اے کیا۔ 18 سال کی عمر میں ان کی شادی لندن میں افتخار احمد فاطمی کے ساتھ ہوئی اور 17 نومبر 2017 میں ان کا انتقال لندن میں ہوا۔ انور جلال پوری کے ایک اور بیٹے محمد شاہکار ہیں۔ محمد شاہکار بھی ایم۔اے پولیٹکل سائنس ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے Mass Communication میں Diploma بھی کیا ہے۔ آج کل محمد شاہکار اپنا کاروبار چلا رہے ہیں۔ ساتھ ساتھ وہ فری لانس صحافت سے بھی جڑے ہوئے ہیں۔ انور جلال پوری کے سب سے چھوٹے بیٹے محمد جاں نثار عالم نے بھی اپنے بڑے بھائیوں کی طرح اودھ یونی ورسٹی سے پولیٹکل سائنس میں ایم۔اے کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے جواہر لال نہرو یونی ورسٹی سے اردو میں ایم۔اے، ایم۔فل اور پی ایچ۔ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ مختلف یونی ورسٹیوں میں عارضی طور پر درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ آخر کار 2018 میں وہ لکھنؤ یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں اسسٹنٹ پروفیسر کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ ڈاکٹر جاں نثار عالم کی اب تک چھ کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں جن میں ترقی پسند نظم میں احتجاج، قتیل شفائی بحیثیت غزل گو، انور جلال پوری ادب کے آئینے میں، کیمیا گھر، قلم کا سفر اور سفیران ادب شامل ہیں۔ ان کتابوں میں سے کچھ ان کی

تحقیقی کتابیں ہیں اور کچھ کتابوں کو انھوں نے مرتب کیا ہے۔ انور جلال پوری کے گھر کی علمی وادبی فضا کو دیکھتے ہوئے قمر گونڈوی نے اسے ''ادبستان'' کہا:

''میں انور جلال پوری کے گھر کو ''ادبستان'' کہتا ہوں۔ ماں، باپ تینوں ہونہار بیٹے صبح تا شام اردو عالموں کے بارے میں سوال وجواب کی محفل سجائے رہتے ہیں۔ ایک دن میں نے اختر الایمان کی بات چھیڑی تو میاں جانثار عالم نے اختر الایمان کی نظموں پر جو تبصرہ کرنا شروع کیا تو میرے دانتوں تلے پسینے آ گئے۔ تعجب خیز بات ہے اتنی کم عمری میں بزرگوں کے بارے میں اتنی گہری معلومات اور تبصرے میں زبان وبیان کے چٹخارے مگر میں یہی کہوں گا یہ سب فیض جناب انور جلال پوری کی اردو دانی کا ہے۔''[11]

بہ حیثیت والد:

انور جلال پوری بحیثیت والد کیسے تھے، اس بارے میں ان کے چھوٹے بیٹے ڈاکٹر جانثار عالم نے راقمہ کو ایک انٹرویو میں کہا:

''ہمارے والد ہمارے ساتھ بالکل ایک دوست کی طرح رہتے تھے۔ آتے تھے تو سبھی موضوعات ادب سے لے کر سیاست ومعاشرت تک بات کرتے تھے۔ کبھی ہم لوگوں کو ان سے خوف نہیں رہا اور انھوں نے ہمیں آزادی دے رکھی تھی کہ آپ جو راستہ اختیار کرنا چاہیں کریں۔ لیکن انھوں نے کہا کہ آپ سبھی لوگوں کو اعلا تعلیم حاصل کرنی ہے۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی کی جدوجہد اپنے بچوں کو اعلا تعلیم دلانے کے لیے کی۔ وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ

حلال رزق انسان کو کمانے کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے۔ ایک اور بات وہ کہا کرتے تھے کہ آپ کتنے قابل ہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن آپ کا Contribution سماج میں کتنا ہے یہ بات اہم ہے۔ دنیا میں بہت لوگ قابل ہیں لیکن یاد وہی کیے جائیں گے جنھوں نے اپنے سماج کے لیے کچھ Contribute کیا ہو۔'' ۱۲؎

ادبی سفر کی ابتدا:

انور جلال پوری نے اپنی ادبی اور تخلیقی زندگی کا آغاز 1960 میں شاعری سے کی جب وہ نریندر دیو انٹر کالج میں زیر تعلیم تھے۔ اسٹیج پر بغیر کسی خوف و جھجک چڑھ جاتے تھے۔ آہستہ آہستہ شعر گوئی کے ساتھ ساتھ نظامت کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ نریندر دیو انٹر کالج میں ہی انور جلال پور کو پہلی بار ایک ادبی نشست کی نظامت کا موقع ملا۔ انور جلال پوری اپنی ادبی زندگی کے آغاز کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

''نریندر دیو انٹر کالج میری ابتدائی ادبی تربیت گاہ بنا۔ 1960 میں جب میں نویں جماعت میں تھا اسی وقت سے میں نے شاعری شروع کر دی تھی میرے کالج میں تقریری مقابلے اور بیت بازی کا سلسلہ تھا لہٰذا تقریری مشق کا آغاز میں نے بہت کم عمری ہی سے کر دیا تھا۔ اسی کالج میں 1962 میں مجھے ایک ادبی نشست کی نظامت کا شرف بھی حاصل ہوا۔'' ۱۳؎

انور جلال پوری کی شاعری کی ابتدا اگر چہ 1960 سے ہوئی لیکن ان کی مکمل ادبی زندگی کا آغاز 1965 میں ہوا جب وہ شبلی کالج میگزین کے ایڈیٹر بنے۔ اس ادارت نے ان کے اندر خوداعتمادی

پیدا کردی۔

انور جلال پوری کی ابتدائی شاعری میں رومانی رنگ دیکھنے کو ملتا ہے۔اس دور میں ہر طرف ساحرلدھیانوی اور مجاز کی شاعری کا چرچا عام تھا۔ایک حد تک دیکھا جائے تو یہ انھی کی شاعری کے اثرات ہیں جو انور جلال پوری کی ابتدائی شاعری میں نظر آتے ہیں۔لیکن وقت کے ساتھ ساتھ انور جلال پوری کی فکر میں تبدیلی آتی گئی۔انھوں نے اردو کے بڑے بڑے شعرا سے استفادہ کیا جن میں مرزا غالب،میر انیس،فراق گورکھپوری، جوش ملیح آبادی،فیض احمد فیض وغیرہ شامل ہیں۔انور جلال پوری نے ان تمام شعرا و ادبا کے اثرات قبول کیے اور اپنی شاعری کا رُخ حقیقت کی طرف موڑ دیا۔

1984 میں انور جلال پوری کی غزلوں کا پہلا مجموعہ ''کھارے پانیوں کا سلسلہ'' زیورطبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آیا۔ یہ ان کی 1964 سے 1984 کے درمیان کی شاعری کا نمونہ ہے۔اس کے بعد سلسلہ وار ان کی دوسری تصنیفات شائع ہوئیں جن میں غزلوں کے مجموعے،منظوم تراجم،نعتیہ مجموعے، نثری مضامین کے مجموعے،منظوم سیرت وسوانح شامل ہیں۔اس کے علاوہ انھوں نے 1966 میں ''اکبر دی گریٹ'' میگا سیریل کے مکالمات بھی تحریر کیے۔اس سیریل کی خاص بات یہ ہے کہ اس کے ابتدائی ڈائیلاگ قرۃالعین حیدر اور حسن کمال نے لکھے۔باقی سیریل کے مکالمات انور جلال پوری نے لکھے۔

تخلیقات:

نمبر شمار	کتاب کا نام	صنف	سنہ اشاعت
1	کھارے پانیوں کا سلسلہ	مجموعہ غزل	نومبر 1984
2	خوشبو کی رشتہ داری	مجموعہ غزل	اکتوبر 2000

3	جاگتی آنکھیں	مجموعہ غزل (دیوناگری میں)	جولائی2008
4	روشنائی کے سفیر	مجموعہ مضامین	2009
5	اپنی دھرتی اپنے لوگ	مجموعہ مضامین (دیوناگری میں)	2010
6	بعد از خدا	نعتیہ مجموعہ	2010
7	حرف ابجد	نعتیہ مجموعہ	2010
8	راہرو سے رہنما تک	منظوم سیرت خلفائے راشدین	2012
9	اردو شاعری میں گیتا	منظوم ترجمہ	2013
10	اردو شاعری میں گیتا	دیوناگری میں	2013
11	توشۂ آخرت	منظوم مفہوم پارۂ عم	2013
12	قلم کا سفر	مجموعہ مضامین	2013
13	سفیران ادب	مجموعہ مضامین	2013
14	اردو شاعری میں گیتانجلی	منظوم ترجمہ	2014
15	اردو شاعری میں گیتانجلی	مفہومیہ ترجمہ دیوناگری میں	2014
16	اردو شاعری میں رباعیات خیام	مفہومیہ منظوم ترجمہ	2014
17	اردو شاعری میں رباعیات خیام	مفہومیہ منظوم ترجمہ دیوناگری میں	2014
18	ادب کے اکثر	منتخب اشعار اور رنگ برنگی نظموں کا مجموعہ	2014
19	پیار کی سوغات	مجموعہ غزل (دیوناگری میں)	2016

انورجلال پوری کی دواورتخلیقات ''جمالِ محمدؐ'' (منظوم سیرتِ رسولؐ) اور ''ضربِ لا الٰہ'' (نعتیہ مجموعہ) شائع ہوچکی ہیں جنھیں بعد میں ''حرفِ ابجد'' اور ''بعد از خدا'' میں شامل کیا گیا۔

اعزازات:

انورجلال پوری کی ادبی سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے انھیں مختلف اعزازات وانعامات سے نوازا گیا جن کی فہرست درج ذیل ہے:

نمبرشمار	اعزازات	سنہ
1	اترپردیش اردو اکادمی ایوارڈ (کھارے پانیوں کا سلسلہ)	1985
2	ہندی ساہتیہ سمیلن ایوارڈ	2000
3	امتیاز میر ایوارڈ	2003
4	مگہر مہوتسو ایوارڈ	2003
5	نظیر بنارسی ایوارڈ	2016
6	اترپردیش اردو اکادمی ایوارڈ	2011
7	ماٹی رتن سمان	2011
8	اترپردیش گورو سمان	2012
9	فراق سمان	2012
10	بہار اردو اکادمی ایوارڈ (اردو شاعری میں گیتا)	2015

11	قومی یکجہتی ایوارڈ (اردوشاعری میں گیتا)	2015
12	یش بھارتی سمان (اردوشاعری میں گیتا)	2016
13	پدم شری	2018

وفات:

انور جلال پوری دل کے مریض تھے۔ ان کی ایک اوپن ہارٹ سرجری ہوئی تھی۔ اس کے باوجود وہ نہایت چست اور تندرست تھے۔ 17 نومبر 2017 ان کی جوان بیٹی نزہت کی موت ہوئی۔ اس صدمے نے انھیں ذہنی طور پر بہت متاثر کیا۔ 26 دسمبر 2017 کو ان کی بیٹی کا چالیسواں قصبہ جلال پور میں تھا۔ انور جلال پوری اس میں شریک ہوئے۔ 28 دسمبر 2018 کو لکھنؤ واپس آئے۔ اسی شام چھ بجے غسل خانے میں ان پر برین ہیمر یج کا حملہ ہوا۔ کافی دیر تک باہر نہیں آئے گھر والوں نے جا کر دیکھا تو انھیں بے ہوش پایا۔ ان کے سر پر شدید چوٹ آئی تھی۔ فوراً قریبی اسپتال اور پھر کے ۔جی ۔ایم ۔یو(کنگ جارج میڈیکل یونی ورسٹی) کے ٹراما سینٹر میں داخل کیا گیا۔ جہاں انور جلال پوری نے پانچ راتیں وینٹلیٹر پر گزاریں۔ ڈاکٹروں نے ان کے دماغ کے آپریشن کا فیصلہ کیا مگر موت نے اس کی مہلت نہیں دی۔ 2 جنوری 2018 بروز منگل، صبح دس بجے انور جلال پوری اس دنیائے فانی کو الوداع کہہ گئے۔ دوسرے روز یعنی 3 جنوری 2018 کو انھیں اپنے آبائی وطن جلال پور میں ظہر کی نماز کے بعد سپرد خاک کیا گیا۔ انور جلال پوری نے 72 برس کی عمر پائی۔ ان کے انتقال سے اردو ادب میں ایک خلا پیدا ہو گیا جسے شعرا و ادبا نے نا قابل تلافی نقصان سے تعبیر کیا ہے۔ پروفیسر فضل امام نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا:

''انور جلال پوری کا سانحۂ ارتحال ایک المناک حادثہ ہے۔ وہ شخص نہیں ایک شخصیت تھے۔ ان کے جانے سے جو دکھ ہوا ہے اسے بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ وہ ذہنی تعصّبات سے پاک تھے، کم سے کم لفظوں میں بڑے سے بڑا مفہوم بیان کر دینے کے ہنر سے بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے فن نظامت کو معراج عطا کی۔'' ۱۴؎

پروفیسر شارب ردولوی انور جلال پوری کی موت پر اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''انور جلال پوری کے انتقال سے صرف اردو ادب کا ہی نہیں بلکہ ہندستانی ادبیات کا نقصان ہوا ہے۔'' ۱۵؎

منور رانا نے اپنے تعزیتی پیغام میں انور جلال پوری کو اپنا بھائی بتاتے ہوئے کہا:

''انھوں نے اپنی شاعری میں فرقہ اور مذہب کی کھائی پاٹنے کا کام کیا تھا۔ انور جلال پوری کے انتقال سے مشاعروں کی گنگا جمنی تہذیب کو جو نقصان ہوا ہے اس کی تلافی آسان نہیں ہوگی۔ وہ بھلے ہی آج ہمارے بیچ نہیں ہیں مگر اپنی شاعری اور فن نظامت کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔'' ۱۶؎

انور جلال پوری کی موت پر ''انس مسرور انصاری'' نے اپنے گہرے دکھ کا اظہار ایک نظم (کتاب دل کے ورق سے) میں یوں کہا ہے:

امیر شہر سخن، جان رنگ و بوئے چمن
تمہاری یاد میں ہے اشکبار چشم وطن
سفیر امن و سکوں، رہنمائے شعروادب

یقین جانو، تمھیں ہم بھلاسکیں گے کب
حدیثِ دیدہ و دل یوں سنا گئے ہو تم
جدا ہوئے ہو تو سب کو رلا گئے ہو تم
تمہاری علم وفضیلت کی یاد آتی ہے
خلوص و پیار و محبت یاد آتی ہے
سلگتی ریت پہ اک سائبان تھے گویا
ہمارے سر پہ شفیق آسمان تھے گویا
تمہارا جسم نہیں ہے تو کیا ہوا انورؔ
دلوں میں روح ہے اب بھی غزل سرا انور

شخصیت:

انسان کی ظاہری اور باطنی خصوصیات کا مطالعہ شخصیت کی تعریف میں آتا ہے۔ انسان کی ظاہری خصوصیات میں اس کا رنگ، روپ، چال، ڈھال، لباس وغیرہ آتے ہیں جب کہ باطنی خصوصیات میں گفتگو، سیرت وکردار، اخلاق وآداب وغیرہ آتے ہیں۔ یہ دونوں حصے آپس میں مل کر کسی شخص کی شخصیت بناتے ہیں۔

حلیہ:

انور جلال پوری کا حلیہ کچھ اس طرح تھا۔ درمیانی قد، بھرا بھرا بدن، گول چہرہ، سانولا رنگ، کشادہ پیشانی، کاجل لگی ہوئی نرگسی آنکھیں اوران پر کالے فریم کا موٹا چشمہ، سیاہ گھنگھرالے بال، سفید داڑھی، مناسب بھویں، چھوٹی پلکیں، پتلے ہونٹ اور ہونٹوں پر ہمیشہ تبسم رہتی تھی۔

لباس:

انور جلال پوری انتہائی سادہ لباس پہنتے تھے۔فیشن کی دنیا سے وہ کوسوں دور تھے۔کبھی علی گڑھ پاجامے پرلکھنوی کرتا،کبھی بش شرٹ اور پتلون،کبھی نہرو کٹ کی واسکٹ اور کبھی ہاتھ کا ڈھیلا ڈھالا سوئیٹر پہن کر مشاعروں میں شرکت کیا کرتے تھےلیکن کسی خاص موقعے پر وہ شیروانی پہنا کرتے تھے۔انھوں نے کبھی ڈائس پر جانے سے پہلے خود کو سنوارنے کے لیے آئینہ نہیں دیکھا۔ان کی طبیعت میں کسی قسم کی ظاہرداری یا نمائش نہیں تھی۔وہ جیسے تھے وہی نظر آتے تھے۔کہیں دو چہرے والے نہیں لگتے تھے۔

غذا:

انور جلال پوری کھانے کے بہت شوقین تھے۔مسالے دار کھانا انھیں بے حد پسند تھا۔وہ سبزی اور گوشت دونوں کھاتے تھے۔لیکن کھانے میں سب سے زیادہ پسند انھیں مچھلی تھی۔ جب بھی کسی مشاعرے کے لیے جاتے تو وہاں سے فون کر کے مچھلی بنانے کو کہتے تھے۔پھلوں میں وہ آم اور سیب بہت کھاتے تھے۔ملیح آباد کے آم انھیں پسند تھے۔جب انھیں ذیابیطس ہوا تو گھر والے انھیں آم کھانے سے منع کرتے تھےلیکن اس کے باوجود وہ آم کھاتے رہتے تھے۔

معمولات:

انور جلال پوری صبح سویرے ہی جاگ جاتے تھے۔فجر کی نماز کبھی کبھی پڑھتے تھے۔انور جلال پوری کا مذہب کا مطالعہ بہت تھا لیکن وہ بہت زیادہ مذہبی نہیں تھے۔وہ اپنے دن کا آغاز اخبارات کے مطالعے سے کرتے تھے۔ان کے گھر میں چھ اخبارات آتے تھے۔جن میں تین اردو اخبارات (اودھ نامہ، انقلاب، قومی آواز/ راشٹریہ سہارا) دو ہندی اخبارات (نو بھارت ٹائمز، ہندستان) اور ایک

انگریزی اخبار(Times of India)شامل ہیں۔

انور جلال پوری پہلے اردو اخبارات سے مطالعہ شروع کرتے تھے۔اس کے بعد دس بجے وہ نریندر دیوانٹرمیڈیٹ کالج کے لیے روانہ ہوتے تھےاور وہاں دن بھر درس وتدریس میں مصروف رہتے تھے۔چار بجے کالج سے لوٹنے کے بعد تھوڑی دیر آرام کرتے تھےاور پھر جتنے بھی خطوط آئے ہوتے تھے ان سب خطوط کا جواب لکھتے تھے۔اس کے علاوہ بہت سارے لوگ انھیں اپنے مسودات بھیجتے تھے کہ ان پر اپنے تاثرات بیان کریں۔انور جلال پوری ان مسودات کے لیے مضامین بھی لکھتے تھے۔انھوں نے تقریباً سو کتابوں پر اپنے تاثرات بیان کیے ہیں۔یہ سب کام ختم کرنے کے بعد انور جلال پوری دیر رات تک کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔جس دن مشاعرے کے لیے جانا ہوتا تھا تو کوئی نہ کوئی کتاب اپنے ساتھ رکھتے تھےاور وہ ٹرین میں بھی مطالعے میں مصروف رہتے تھے۔

شوق:

انور جلال پوری کو مطالعے کا بہت شوق تھا۔گریجویشن سے ہی انھیں مطالعے کا شوق پیدا ہوا۔ شبلی کالج کے ''دارالمصنفین'' کتب خانے سے وہ ہر دو دن بعد کتاب لے کر دو تین دن میں واپس کر دیتے تھے۔اس طرح سے وہ ہر ہفتے دو سے تین کتابیں پڑھتے تھے۔ان کا مطالعہ تینوں زبانوں (اردو، ہندی اور انگریزی) میں ہوتا تھا۔عمر کے ساتھ ساتھ ان کا یہ جنون کم نہیں ہوا بلکہ اس میں اور اضافہ ہوتا گیا۔یہی وجہ ہے کہ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود دو چار گھنٹے مطالعے کے لیے نکال ہی لیتے تھے۔سگریٹ، پان اور چائے سے انھیں بہت دلچسپی تھی۔اس کے علاوہ ان کو کوئی دوسرا شوق نہیں تھا۔

انداز گفتگو:

انور جلال پوری کا انداز گفتگو بڑا پرلطف تھا۔ ان کا لہجہ ہمیشہ نرم ہوتا تھا۔ انور جلال پوری کے بیٹے جاں نثار عالم کا کہنا ہے کہ انور جلال پوری گھر میں ہمیشہ نرم لہجے میں بات کرتے تھے:

''میرے والد ہمیشہ نرم لہجے میں بات کرتے تھے کبھی تلخ لہجہ نہیں ہوتا تھا۔ ناراض ہوتے تھے تو خاموش ہوجاتے تھے۔ اگر انھیں کوئی بات ناگوار گزرتی تھی تو وہ ڈانٹنے کے بجائے بات کرنا چھوڑ دیتے تھے...... دو تین دن تک اپنا وہ رویہ رکھتے تھے تب تک جس کی غلطی ہوتی تھی اس کو احساس ہوتا تھا اس کے بعد سب کچھ Normal ہوجاتا تھا۔'' [۱۷]

جہاں تک مشاعروں کا تعلق ہے تو انور جلال پوری فلسفیانہ گفتگو بہت کرتے تھے مگر لہجے میں ایک البیلا پن ہوتا تھا۔ وہ یہ سوچ کر گفتگو نہیں کرتے تھے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنے لیے جگہ بنائیں بلکہ جب بھی وہ محسوس کرتے تھے کہ بولنا ضروری ہے تو وہ بولتے تھے۔ شوخ جملے اُچھالنا ان کی گفتگو کا حسن تھا۔ ان کی گفتگو کو لوگ کافی پسند کیا کرتے تھے۔ رک رک کر جملے بولنا ان کی عادت تھی۔ وہ ہمیشہ مہذب انداز میں گفتگو کرتے تھے۔ غیر مہذب اندازِ گفتگو سے انھیں سخت نفرت تھی۔

حلقۂ احباب:

انور جلال پوری کا حلقۂ احباب کافی وسیع تھا۔ ان کی شخصیت سے ہر کوئی متاثر ہوتا تھا۔ ایک بار ان سے ملنے کے بعد اکثر لوگ ان کے گرویدہ ہوجاتے تھے۔ اس حلقے میں ادیب، شاعر اور نقاد بھی شامل تھے جن میں منور رانا، راحت اندوری، ڈاکٹر وی۔ این۔ آریہ، بشیر بدر، ریاض پنجابی، شبیر حسین، کیدار ناتھ مشرا، ڈاکٹر قمر الزماں انصاری، ظفر حسین مہتو، منیر احمد، عرفان جلال پوری، محمد طارق صدیقی، عتیق الہ آبادی، صبیح الدین انصاری، مرزا خلیل احمد بیگ، پروفیسر تصدق حسین، محمد اعظم خان، عارف محمد خان،

فضل الباری، محمد اعظم قاسمی، اصغر وجاہت، ہمایوں ظفر زیدی، الطاف حسین وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مزاج:

انور جلال پوری کی شخصیت میں انا پرستی تھی۔ یہ بات ان کی شاعری میں بھی نظر آتی ہے:

یہ ٹوٹی پھوٹی سی تقدیر جو ہے میری ہے
یہ میرے پاؤں میں زنجیر جو ہے میری ہے
میں جنگ ہار کے بھی معتبر سپاہی ہوں
مری نیام میں شمشیر جو ہے میری ہے

انور جلال پوری شرافت اور مروت کے صدیوں کے ورثے کے امین تھے۔ وہ شریف النفس انسان تھے جن کا خمیر شفقتوں اور محبتوں سے اٹھا تھا۔ انور جلال پوری کی شخصیت کا تجزیہ جب ہم معروضی طور سے کرتے ہیں تو لگتا ہے کہ حتمی صورت میں وہ ایک خوددار، اصول پسند اور جرأت مند انسان تھے۔ انھوں نے کبھی بھی وقت کی ستم ظریفی کے آگے گھٹنے نہیں ٹیکے بلکہ ہمیشہ خودداری اور دانشمندی کا پاس رکھا۔

میری فطرت کسی کا بھی تعاون لے نہیں سکتی
عمارت اپنے غم خانے کی میں تنہا بناتا ہوں

انور جلال پوری کی شخصیت میں گھمنڈ نام کی چیز نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ ہمیشہ سب کو ایک ہی نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ بڑوں کا احترام کرتے تھے اور چھوٹوں سے محبت اور شفقت سے پیش آتے تھے۔ انور جلال پوری کی ایک اور خوبی یہ بھی تھی کہ وہ ہمیشہ دوست احباب اور رشتے دار کی خبر رکھتے تھے۔ ان کے دکھوں اور سکھوں میں شریک رہتے تھے۔ اس کا اندازہ اس شعر سے بہ خوبی لگایا جا سکتا ہے:

شہر بھر کے سبھی بچوں سے محبت کرنا
میں نے سیکھا ہے اسی طرح عبادت کرنا

اپنے کام کو عبادت سمجھنا، وقت کی پابندی کرنا، اپنوں پرایوں سے محبت کرنا ان کی شخصیت کے اہم عناصر تھے۔اسی میں ان کی کامیابی کا راز مضمر تھا۔

مہمان نواز:

خلوص، نیک نیتی، ایثار و محبت جیسے جذبات انور جلال پوری میں کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔ جو بھی ان سے ملنے ان کے گھر جاتا تھا وہ بڑی خندہ پیشانی سے ان کے ساتھ پیش آتے تھے۔ انور جلال پوری کے صاحب زادے ڈاکٹر جانثار عالم نے راقمہ کو ایک انٹرویو میں بتایا:

''انور جلال پوری ہر انسان سے ایک ہی سطح پر ملتے تھے۔کبھی کسی کے اونچے عہدے کی وجہ سے ان کی طرف مرعوب نہیں ہوتے تھے اور غریب آدمی کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی عام شاعر انھیں فون کر کے بولتا تھا کہ سر کچھ اشعار لکھے ہیں آپ سے ملنا چاہتا ہوں تو بڑی شفقت سے بولتے تھے............ بیٹا آجاؤ۔انھیں خاص کمرے میں بٹھاتے تھے اور بڑی فراخ دلی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اپنی مصروفیت کے باوجود سب کو وقت دیتے تھے۔ وہ ہمیشہ نوجوان شعرا کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔اپنے احباب کے ساتھ بھی ان کا رویہ ایسا ہی تھا۔کبھی کسی کے ساتھ مقابلہ نہیں کرتے تھے ۔وہ کہتے تھے کہ ہر انسان کی اپنی ایک الگ شناخت ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کا موازنہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ آپ اپنی شناخت بنانی چاہیے۔تقلید

نہیں کرنی چاہیے دوسروں کی تقلید کرنے سے انسان اپنی شناخت بھی کھو بیٹھتا ہے۔'' ۱۸؎

بحیثیت انسان:

انور جلال پوری اچھے شاعر، نثر نگار، مترجم اور ناظم مشاعرہ تو تھے ہی، اس کے علاوہ وہ مکمل انسان، خلوص و محبت کے پیکر اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کے مظہر بھی تھے۔ ان میں وہ تمام تر خوبیاں موجود تھیں جو ایک اچھے انسان میں ہونی چاہیے۔ انور جلال پوری ہمیشہ پیار، محبت، اخوت، رواداری، ملنساری اور یکجہتی کی باتیں کیا کرتے تھے۔ حسد، نفرت، عداوت جیسی چیزوں سے وہ کوسوں دور رہتے تھے۔ اس بات کا اندازہ ان اشعار سے لگایا جا سکتا ہے:

تم پیار کی سوغات لیے گھر سے تو نکلو
رستے میں تمہیں کوئی بھی دشمن نہ ملے گا
جو بھی نفرت کی ہے دیوار گرا کر دیکھو
دوستی کی بھی ذرا رسم نبھا کر دیکھو
کتنا سکھ ملتا ہے معلوم نہیں ہے تم کو
اپنے دشمن کو کلیجے سے لگا کر دیکھو
حسد ایک بیماری ہے پیارے
ہمیشہ ایسے بیماروں سے بچنا

انور جلال پوری ایک مثالی شوہر اور شفیق باپ تھے۔ بزرگان دین کے لیے عقیدت، بڑوں کا احترام، دوستوں کے لیے محبت اور چھوٹوں کے لیے شفقت ان کا شعار تھا۔ انھوں نے ہمیشہ حب الوطنی،

بھائی چارے اور امن کو فروغ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے قصبے جلال پور میں بھائی چارے اور امن کو قائم رکھنے میں کلیدی رول ادا کیا ہے۔ جب بھی کوئی ناخوشگوار واقعہ ہوتا تھا تو وہ فوراً ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، شیعہ، سنی، کاروباری، مفکر، ادیب، عالم، ہر طبقے کے لوگوں کو اکٹھا کر لیتے تھے اور امن مارچ نکال کر قصبے میں محبت کی فضا قائم کر دیتے تھے۔ انھوں نے اپنی شاعری سے بھی مشترکہ قوموں کو ایک دوسرے کے قریب کیا۔ مثال کے طور پر یہ اشعار دیکھیں:

ہم قومی ایکتا کے راہی ہم کیا جانیں جھگڑا بابا
اپنے دل میں سب کی الفت اپنا سب سے رشتہ بابا
ہر انسان میں نورِ خدا ہے ساری کتابوں میں لکھا ہے
وید ہوں یا انجیل مقدس ہو قرآن کہ گیتا بابا
ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی آپس میں سب بھائی بھائی
ہم جتنے بھارت واسی ہیں سب کا ہے یہ نعرہ بابا

انور جلال پوری کی سب سے بڑی خوبی ان کی انسان شناسی اور غریب پروری تھی۔ ہمیشہ مجبور، پریشان اور ضرورت مند لوگوں کی مدد کے لیے تیار رہتے تھے۔ لیکن اگر کسی نے ان پر معمولی سا بھی احسان کیا، اس کو انھوں نے ہمیشہ یاد رکھا۔ انور جلال پوری کی ذات سے اَن گنت لوگوں کو فائدہ پہنچا ہے۔ درجنوں لوگ ایسے ہیں جو صرف انور جلال پوری کی وجہ سے مشہور شاعر بنے ہیں۔ موجودہ دور کے مشہور شاعر ڈاکٹر راحت اندوری کی کامیابی کے پیچھے بھی انور جلال پوری کی کوششوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ خود راحت اندوری اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بہت کم لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ میرے راحت اندوری سے ڈاکٹر

راحت اندوری بننے میں بھی انور بھائی کی کوششیں اور دلچسپی شامل ہے۔ بی ۔اے کرنے کے بعد میرا تعلیمی سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔صرف مشاعرے اور ان کی اچھائیاں اور برائیاں ہی زندگی ہوکر رہ گئی تھیں۔ انور بھائی کے مشورے بلکہ حکم اور ضد کی وجہ سے ہی میں نے ایم۔اے کا فارم بھرا............۔ میں ایم۔اے فرسٹ کلاس پاس ہوگیا۔ یہ اطلاع بھی انور جلال پوری نے کسی مشاعرے میں دی اور فوراً پی ایچ ڈی کی تیاری کرنے کا مشورہ دیا۔ پی ایچ ڈی کے لیے موضوع بھی انور بھائی کے مشورے سے طے ہوگیا۔ مجھے ایم۔اے کرتے ہی کالج میں ملازمت مل گئی اور ایک نئی زندگی کی شروعات ہوگئی............ مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی ہوتی ہے کہ آج میں جس مقام پر ہوں وہاں تک پہنچانے میں انور بھائی کی کوششیں ہیں۔''[۱۹]

اس مطالعے سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بہ حیثیت انسان انور جلال پوری میں وہ تمام تر خوبیاں موجود ہیں جو ایک اچھے انسان میں ہونی چاہیے۔ وہ پیار، رفاقت، اخلاص، وفا،غم خواری اور الفت کا مجسمہ تھے۔ان کی شخصیت کی تعمیر میں ان کے خاندان، ان کے والدین خاص طور پر ان کے والد نے اہم رول ادا کیا ہے۔

*****

حواشی

۱۔ روشنائی کے سفیر/ص:11

۲۔ ایضاً ص: 13-12

۳۔ ایضاً ص: 17

۴۔ ایضاً ص: 26

۵۔ پروگرام: شخصیت، مہمان انور جلال پوری، میزبان سمینہ

۶۔ انور جلال پوری ادب کے آئینے میں/ص:191

۷۔ ایضاً ص: 17

۸۔ انور جلال پوری سے ایک انٹرویو، از معین شاداب/ 9 اگست 2015

۹۔ روشنائی کے سفیر/ص: 35

۱۰۔ انور جلال پوری ادب کے آئینے میں/ص:87

۱۱۔ ایضاً ص: 88

۱۲۔ شخصی انٹرویو/ ڈاکٹر جاں نثار عالم/ 14 جولائی 2019

۱۳۔ روشنائی کے سفیر/ص:27

۱۴۔ بحوالہ مضمون: انور جلال پوری کا ترجمہ، اردو شاعری میں گیتا، اصل سے بہتر ہے:
گورنر رام نائک، از ڈاکٹر ہارون رشید، اودھ نامہ/ 4 جنوری 2018

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ بحوالہ مضمون: سیکولرزم کے مضبوط سپاہی انور جلال پوری، از شبیہ الحسن نقوی، جدید مرکز

لکھنؤ/ 7 جنوری تا13 جنوری2018

۱۷؎ شخصی انٹرویو/ ڈاکٹر جاں نثار عالم/ 14 جولائی2019

۱۸؎ ایضاً

۱۹؎ بحوالہ مضمون: کھارے پانیوں کی میٹھاس، از راحت اندوری، انور جلال پوری ادب کے آئینے میں/ص:73-74

باب دوم

انور جلال پوری کے ادبی کارنامے

انور جلال پوری کے ادبی کارنامے

انور جلال پوری کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں لیکن نظامت کا فن ان کی شخصیت کے تمام پہلوؤں پر حاوی نظر آتا ہے۔ انھوں نے نہ صرف ہندستان بلکہ دنیا کے متعدد ممالک میں مشاعروں کی نظامت کے فرائض بخوبی انجام دیے۔ وہ شہرۂ آفاق ناظم تھے۔ انور جلال پوری مشاعروں کی نزاکتوں سے بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے ہر طرح کے مشاعرے کو بڑی کامیابی کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچایا ہے۔ خواہ وہ عوامی مشاعرے ہوں یا خواص کے مشاعرے۔ یہی چیز عوام و خواص میں ان کی شہرت و مقبولیت کا باعث بن گئی۔

جہاں تک انور جلال پوری کی شاعری کا تعلق ہے۔ انھوں نے اس میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیے۔ انور جلال پوری کی غزلوں کے اب تک تین مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔ پہلا مجموعہ ''کھارے پانیوں کا سلسلہ''(1984) میں شائع ہوا۔ دوسرا مجموعہ ''خوشبو کی رشتہ داری''(2000) میں ہمارے سامنے آیا۔ ان دو مجموعات کے علاوہ انور جلال پوری کا تیسرا مجموعہ ''جاگتی آنکھیں''(2008) میں منظر عام پر آچکا ہے۔ مگر یہ مجموعہ دیوناگری رسم الخط میں ہے۔ زبان کی شائستگی، مضامین کا تنوع، تہذیب و تمدن کی چاشنی، انسانیت کا احترام اور عقیدت، اسلوب اور لہجے کی طرح داری، تشبیہات اور ترکیبوں کی ندرت، لہجے کی شیرینی اور متانت کی سنجیدگی جیسی چیزوں نے انور جلال پوری کی غزلیہ شاعری کو وقار بخشا ہے۔

غزلیہ شاعری کے علاوہ انور جلال پوری کے یہاں نعتیہ کلام کے مجموعے بھی پائے جاتے ہیں۔ ان کے اب تک دو نعتیہ مجموعے ہمارے سامنے آئے ہیں جن میں ''حرف ابجد''(2010) اور ''بعد از

خدا''(2010)شامل ہیں۔نعتیہ شاعری کے ساتھ ساتھ انورجلال پوری نے منظوم سیرت نگاری میں طبع آزمائی کرتے ہوئے''جمال محمدؐ ''اور''راہرو سے رہنما تک'' جیسی تصانیف کو پیش کیا جن میں انھوں نے رسول اکرمؐ اور خلفائے راشدین کی سیرت کو پیش کیا۔

اردو ادب میں انورجلال پوری کا سب سے بڑا اضافہ منظوم تراجم ہیں۔انھوں نے دنیا کے عظیم لٹریچر کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔جن میں سنسکرت کی عظیم کتاب'' گیتا'' کا نام سرفہرست ہے۔انور جلال پوری نے اس مقدس کتاب کا ترجمہ''اردو شاعری میں گیتا'' کے نام سے کیا۔اس کے علاوہ انور جلال پوری نے بنگلہ ادب کی نوبل انعام یافتہ کتاب'' گیتانجلی'' کا منظوم ترجمہ بھی اردو میں کیا۔سنسکرت اور بنگالی کے علاوہ انورجلال پوری نے فارسی سے رباعیات خیام اور عربی سے قرآن کریم کے پارۂ عم کا منظوم ترجمہ بھی کیا ہے۔اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انورجلال پوری نے دوسری زبان، دوسرے کلچر کو اردو میں شاعری کے ذریعے متعارف کرایا۔ وہ دو زبانوں ، دو تہذیبوں کے درمیان ایک پل کا کام کررہے تھے۔انھوں نے گیتا اور پارۂ عم کا ترجمہ کرکے مذاہب کو سمجھنے کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کرایا۔

انورجلال پوری ناظمِ مشاعرہ،شاعرومترجم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صاحب طرز نثر نگار بھی تھے۔ان کی نثری تصانیف میں''روشنائی کے سفیر''(2009)،''قلم کا سفر''(2013)اور''سفیران ادب''(2013) شامل ہیں۔ انور جلال پوری کے یہاں ایک اور مجموعہ''اپنی دھرتی اپنے لوگ''(2010)پایا جاتا ہے مگر یہ مجموعہ دیوناگری رسم الخط میں ہے۔

اردو شاعری میں گیتا:

انورجلال پوری نے ہندو مذہب کی مقدس کتاب'' گیتا'' کا منظوم ترجمہ کرکے اردو ادب میں

بیش بہا اضافہ کیا۔ گیتا کو نہ صرف ہندو مذہب میں مقدس کتاب کا درجہ حاصل ہے بلکہ اس کی اخلاقی تعلیمات، اس کے فلسفۂ عمل نے ہر مذہب کے لوگوں کو متاثر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کی تمام اہم زبانوں میں اس کے تراجم منظر عام پر آ چکے ہیں جن میں انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی، چینی، فارسی، اردو وغیرہ شامل ہیں۔

شری مد بھگوت گیتا اس وقت وجود میں آئی جب حق اور باطل کی جنگ کورو-پانڈو کے درمیان مہابھارت کی شکل میں سامنے آئی جس میں 100 کوروؤں اور 5 پانڈوؤں کے بیچ زمین کا مسئلہ بنیادی شکل میں ابھر کر سامنے آیا۔ میدان جنگ میں جب ارجن کو بھرم ہو گیا کہ وہ اپنوں سے، رشتے داروں سے ،گروجنوں سے جنگ پر آمادہ ہوا ہے۔ وہ میدان کے بیچ جا کر دھنش رکھ دیتا۔ تب بھگوان کرشن اسے اپدیش (پیغام) دیتے ہیں کہ لڑنا تیرا فرض ہے۔ جب سماج میں ایسی برائی پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے پورے سماج کا مستقبل خطرے میں پڑ جائے تو غلط اور برے لوگوں کے خلاف ہتھیار اٹھانا جائز ہے۔ یہی اپدیش شری مد بھگوت گیتا کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

گیتا کے 18 ابواب میں 962 شلوک ہیں۔ جن میں 701 شلوکوں کا ترجمہ انور جلال پوری نے 1761 اشعار میں کیا ہے۔ گیتا سے انور جلال پوری کو طالب علمی کے زمانے سے ہی دلچسپی تھی۔ وہ اسے مذہبی سے زیادہ انسانی نفسیات کی کتاب اور انسانیت کے لیے ایک دستاویز سمجھتے تھے۔ شاید اسی لیے انھوں نے 1982 میں اپنی پی ایچ۔ڈی کے لیے گیتا کا انتخاب کیا۔ موضوع ''گیتا کے منظوم ترجمے اور ان کا تنقیدی جائزہ'' تھا۔ مگر یہ کام بہت پھیلا ہوا تھا اور ان کی دیگر مصروفیات کی وجہ سے مکمل نہ ہو سکا۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد انور جلال پوری نے پھر سے گیتا کی تعلیمات کا مطالعہ شروع کیا اور اس کا منظوم ترجمہ ''اردو شاعری میں گیتا'' کے نام سے کیا۔ تین سو صفحات پر مشتمل یہ ترجمہ جولائی 2013 میں

منظر عام پر آیا۔

اردو میں گیتا کے تراجم کی ایک طویل فہرست ملتی ہے لیکن اس کے باوجود انور جلال پوری کے منظوم ترجمے کی اہمیت کچھ کم نہیں ہو جاتی کیوں کہ اس سے پہلے جتنے بھی اردو تراجم ہوئے ہیں ان میں اکثر تک اردو کے عام قاری کی رسائی آسان نہ تھی۔ انور جلال پوری نے اس میں نہایت سادہ لیکن پر اثر زبان کا استعمال کیا۔ تا کہ عام قاری بھی اس کو آسانی سے سمجھ سکے۔ وہ ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

> ''آزادی سے پہلے ہماری جو اردو تھی وہ فارسی زدہ تھی اور آزادی کے بعد بھی جو چند ترجمے شاعری میں ہوئے وہ ان بزرگوں نے کیے جن کی زبان پر فارسی حاوی تھی ...... میں نے کوشش کی آج کی جو اردو ہے، وہ اردو جو فلموں میں ہے، وہ جو مشاعروں میں ہے، وہ اردو جو ہر ذہنی سطح کو مطمئن کر دیتی ہے۔ اس آسان اردو میں اس (گیتا) کا ترجمہ کیا۔'' [1]

ہندی کے عظیم شاعر پدم شری گوپال داس نیرج انور جلال پوری کے اس منظوم ترجمے کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ''میں نے گیتا کے ہندی اور انگریزی بھاشاؤں کے بھی کئی انواد پڑھے ہیں لیکن جیسا انواد شری انور جلال پوری نے کیا ہے ویسا انتر کہیں دیکھنے کو نہیں ملا۔'' [2]

انور جلال پوری نے اس ترجمے کے ابتدائی حصے میں بھگوت گیتا کی کہانی، گیتا کا مرکزی خیال اور گیتا کے کرداروں کا تعارف پیش کیا ہے ساتھ ہی ساتھ شری مد بھگوت گیتا کے مخصوص پہلو کرم یوگ، راج یوگ، بھگتی یوگ اور گیان یوگ کی تفصیل بھی پیش کی ہے۔ انور جلال پوری نے ہر شلوک سے پہلے

شلوک نمبراور ہر باب سے پہلے نثر میں اس باب کا خلاصہ بھی پیش کیا ہے تا کہ اس پر کوئی شبہ نہ کر سکے اور قاری آسانی سے سمجھ سکے۔

شری مد بھگوت گیتا میں جو سب سے ضروری پیغام دیا گیا ہے وہ کرم کا ہے یعنی عمل کا۔عمل سے ہی انسان کی زندگی سنور جاتی ہے۔عمل سے ملنے والے پھل کی فکر کیے بغیر عمل کرنا ضروری ہے۔پھل کو سامنے رکھ کر عمل کرنا تو سودے بازی ہے۔اس لیے پھل کی فکر کے بغیر کیے گئے عمل کو ہی سچا عمل بتایا گیا۔ اس فلسفے کو انور جلال پوری نے یوں پیش کیا ہے:

نہیں تیرا جگ میں کوئی کاروبار
عمل کے ہی اوپر ترا اختیار
عمل جس میں کوئی بھی خواہش نہ ہو
عمل جس کی کوئی نمائش نہ ہو
عمل چھوڑ دینے کی ضد بھی نہ کر
تو اس راستے سے کبھی مت گزر

مذکورہ بالا مثال سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انور جلال پوری اپنے اس مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں اور اس ترجمے کے لیے انھوں نے جس زبان کا استعمال کیا وہ کتنی آسان اور سلیس ہے۔انور جلال پوری نے اس شلوک کو تین اشعار میں نظم کیا ہے۔لیکن اس میں اشعار کی کوئی قید نہیں بلکہ کوئی شلوک دو کوئی تین اور کوئی ایک ہی شعر میں پیش کیا گیا ہے۔بحر ابتدا سے آخر تک ایک ہی ہے۔عروض پر گہری نظر رکھنے والے شاعر پنڈت ہنومان شرما عاجز ماتوی اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

''منظوم ترجمے کے لیے انور جلال پوری نے جس بحر کا استعمال کیا ہے وہ ثقیل، دقیق اور بھاری بھرکم الفاظ کی متحمل نہیں ہے۔ یہ بحر ہے متقارب، جس کے اوزان ہیں۔فعولن فعولن فعولن فعل۔'' ۳؎

انور جلال پوری نے گیتا کا منظوم ترجمہ کر کے ہندستان میں قومی یکجہتی، آپسی بھائی چارے اور محبت کو فروغ دیا۔ وہ معاشرے میں پھیلی برائیوں اور مذہب کے نام پر پھیلائے جارہے فتنوں کے بڑے مخالف تھے۔ انور جلال پوری نے گنگا جمنی تہذیب اور آپسی میل محبت کو دھیان میں رکھتے ہوئے بھگوت گیتا کا منظوم ترجمہ کیا۔ انھوں نے اس ترجمے کا انتساب ''ہندستان کی مشترکہ گنگا جمنی تہذیب اور امن عالم کی خواہش رکھنے والے تمام شریف انسانوں کے نام'' کیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ مشترکہ تہذیبوں کے کس قدر نمائندہ اور حامی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عظیم کارنامے کے لیے حکومت ہند نے انھیں پدم شری اعزاز سے نوازا۔ بقول پرتاب سنگھ:

''یہ گنگا جمنی تہذیب کو فروغ دینے کا انور جلال پوری کا کارنامہ ایسا ہے جس کے لیے ان کی شخصیت کو سلام کیا جانا چاہیے۔'' ۴؎

اس ترجمے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ اردو کے ساتھ ساتھ ہندی رسم الخط میں بھی شائع ہوا۔ انور جلال پوری نے ہندی ترجمے میں اردو کے مشکل الفاظ کے معنی ہندی میں دیے ہیں۔ اس ترجمے سے ہر کوئی فیض یاب ہوسکتا ہے کیوں کہ عام قاری اصل گیتا (سنسکرت) کا مطالعہ نہیں کرسکتا۔ انور جلال پوری نے اسے آسان، سادہ اور سہل زبان میں پیش کر کے ہر کسی کو گیتا کے مطالعے کا موقع فراہم کیا ہے۔ انھی خوبیوں کی بنا پر ہندی کے مہان سنت مراری باپو نے اس کتاب کی رسم اجرا کے موقعے پر کہا:

''انور جلال پوری نے شلوک کو لوک تک پہنچا دیا۔'' ۵؎

اردوشاعری میں گیتانجلی:

''اردوشاعری میں گیتانجلی'' انورجلال پوری کا شاہکار کارنامہ ہے۔اس میں انورجلال پوری نے رابندرناتھ ٹیگور کی گیتانجلی کی نظموں کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ 2014 میں عرشیہ پبلیکیشنز سے شائع ہوا۔رابندرناتھ ٹیگور بنگالی زبان کے شاعر،فلسفی، ڈرامہ نگاراورافسانہ وناول نگار تھے۔رابندرناتھ ٹیگور کے چھے شعری مجموعے، سات ڈرامے، دو یاداشتیں اور چار ناول منظر عام پر آ چکے ہیں۔اس کے علاوہ انھوں نے دوملکوں کے قومی ترانے بھی لکھے ہیں جن میں ایک ہندستان کا ''جن گن من'' اور دوسرا بنگلہ دیش کا '' آمارسونار بنگلا'' ہے۔ ٹیگور نے زیادہ تر چیزیں بنگالی زبان میں لکھیں۔اس لیےان کو بنگالی زبان کاشیکسپیئرکہا جاتا ہے۔

رابندرناتھ ٹیگور کی تخلیقات میں سب سے اہم تخلیق '' گیتانجلی'' ہے۔'' گیتانجلی''،مختصرنظموں کا مجموعہ ہے۔اصل گیتانجلی 157 نظموں پر مشتمل ہے جو اگست 1910 میں شائع ہوئی۔انگریزی میں ترجمہ شدہ گیتانجلی 103 نظموں کا مجموعہ ہے ۔ جسے خود رابندرناتھ ٹیگور نے بنگالی سے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ یہ مجموعہ 1912 میں منظر عام پر آیا اور 1913 میں ٹیگورکو اس قابل قدر کارنامے کے لیے نوبل انعام سے نوازا گیا۔اس مجموعے میں صرف 53 نظموں کو اصل گیتانجلی سے لیا گیا ہے۔ باقی 50 نظموں کو ٹیگور نے اپنی دوسری تخلیقات سے منتخب کیا۔ گیتانجلی کی نظمیں الہامی اور روحانی احساسات کا شاعرانہ اظہار ہیں جو بیک وقت دل ودماغ دونوں کو متاثر کرتی ہیں۔اس کتاب کے متعلق انورجلال پوری یوں رقم طراز ہیں:

''مکمل گیتانجلی مادیت سے پریشان لوگوں کے لے ایک روحانی غذا ہے
۔اس کتاب میں ریشیوں،منیوں کے قدیم ہندستان کی مقدس اورخوشگوار فضا

تو ملے گی مگر کسی دھرم کی برتری کی وکالت کا شائبہ بھی نہیں ملے گا۔ یہ کتاب
روحانیت اور انسانیت کے امتزاج کا نغمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ٹیگور کی عظمت
کو ہندستان کے لوگوں سے پہلے یورپ والوں نے پہچانا۔'' ۶

انور جلال پوری کو اسکول کے زمانے میں ٹیگور کی ایک نظم ''جہاں قلب بے خوف ہے'' پڑھائی گئی۔ اس کے بعد وہ خود بچوں کو وہ نظم پڑھانے لگے۔ اسی دوران انھیں ٹیگور کی شاعری سے لگاؤ پیدا ہوا۔ انھوں نے ٹیگور کی شاعری (گیتا نجلی) کا مطالعہ شروع کیا۔ مطالعے کے دوران ان کے ذہن میں گیتا نجلی کے ترجمے کا خیال آیا اور انھوں نے اس شہرۂ آفاق تصنیف کا منظوم ترجمہ ''اردو شاعری میں گیتا نجلی'' کے نام سے کیا۔

انور جلال پوری نے ''گیتا نجلی'' کا منظوم ترجمہ کر کے اردو ادب میں قابل ستائش اضافہ کیا۔ انور جلال پوری سے پہلے گیتا نجلی کے کئی تراجم اردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی ہوئے لیکن اردو میں دو ترجمے ایسے ہیں جنھیں بہت ہی اہمیت حاصل ہے۔ پہلا نیاز فتح پوری کا ترجمہ، جو بہت ہی فلسفیانہ ہے اور اس کی زبان بھی مشکل ہے۔ دوسرا ترجمہ فراق گورکھپوری کا ہے جس کو فراق گورکھپوری نے بہت ہی آسان اور دلکش انداز میں پیش کیا اور اس میں ایک نغمگی موجود ہے۔ انور جلال پوری نے فراق گورکھپوری کے ترجمے کو ہی بنیاد بنایا اور 103 نظموں کا منظوم ترجمہ کر کے اردو دنیا میں نئے باب کا اضافہ کر دیا۔ اس ضمن میں انور جلال پوری اپنے مضمون ''میں اور میرا قلم'' میں لکھتے ہیں:

''اردو زبان میں پہلا ترجمہ نیاز فتح پوری نے کیا۔ بعد میں فراق گورکھپوری
نے بھی بڑا خوبصورت ترجمہ کیا۔ نیاز صاحب کے ترجمے پر علمیت حاوی
ہے، فراق صاحب کے ترجمے پر رومانیت۔ فراق صاحب کی زبان زیادہ

دلکش ہے بلکہ ان کی نثر میں شاعری کا لطف شامل ہے،اس وقت میرے کہنے
کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف یہی دو ترجمے ہیں۔ میں نے علامتی طور پر ان
کا ذکر کیا۔ میں نے جس نثری ترجمے کے مفہوم کو شاعری بنایا ہے وہ ہے
حضرت فراق گورکھپوری کا ترجمہ۔'' ۷

رابندر ناتھ ٹیگور کی نظموں کا ترجمہ کوئی آسان کام نہیں تھا کیوں کہ ان کا ترجمہ پہلے بنگلہ زبان سے انگریزی میں ہوا اور پھر انگریزی سے اردو نثر میں۔ اس کے باوجود انور جلال پوری اپنے ترجمے میں اصل روح کو برقراررر رکھنے میں کامیاب رہے۔ انور جلال پوری نے ان تمام نظموں کو منظوم شکل دے کر مختلف بحروں میں پیش کیا ہے مگر ہر بحر مترنم ہے۔اس ترجمے کے حوالے سے انور جلال پوری یوں رقم طراز ہیں:

''ٹیگور کی گیتانجلی کے ساتھ تو عجیب وغریب واقعہ ہے۔ یہ ابتدائی طور پر لکھی
گئی بنگلہ زبان میں۔ بنگالی کلچر کا سارا نغمہ اور سنگیت اس میں جذب ہے پھر
اس کا ترجمہ انگریزی میں ہوا۔ بعد میں اردو میں ہوا۔ اب اردو کے نثری
ترجمے کو شاعری بنایا ہے۔آپ اندازہ لگایے کہ اصل روح کو اس میں شامل
کرنا کتنا مشکل ہے پھر بھی میرا دیوانہ پن ہے کہ میں نے ان نظموں کو اردو
شاعری میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ نظمیں مختلف بحروں میں ہے مگر
ہر بحر مترنم ہے۔ میری خواہش ہے کہ یہ کتاب شائع ہو جانے کے بعد کسی
اچھے سنگر کی آواز میں یہ نظمیں گائی جائیں۔'' ۸

رابندر ناتھ نے گیتانجلی کی نظموں میں دنیا کی بے ثباتی ،حق کی تلاش، انسانیت کی پہچان، اللہ

سے محبت، زندگی کا مقصد، روح کی پہچان، یقین کی پاسداری وغیرہ جیسے موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔انور جلال پوری نے ان تمام موضوعات کو اپنے ترجمے میں بہت ہی سادہ، سہل اور آسان زبان میں پیش کیا ہے۔ایک نظم کے چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

مری خواہش، مری فریاد کا یہ سلسلہ کیا ہے
یہ میری زندگی کے درد و غم کا ایک قصہ ہے
ہمیشہ تو نے بے دردی سے میرے دکھ کو دیکھا ہے
میں بزدل بن نہ جاؤں تو نے ہی مجھ کو بچایا ہے
تو مجھ پر رحم کرتا مسئلہ حل ہوگیا ہوتا
مگر میں زندگی کی جنگ کے لائق نہیں رہتا
تو مجھ کو بخششوں کے روز ہی قابل بناتا ہے
میں مانگوں یا نہیں مانگوں مری جھولی تو بھرتا ہے

توشۂ آخرت:

''توشۂ آخرت'' قرآن پاک کے تیسویں پارے کے مفہوم کا منظوم ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ 2013 میں شائع ہوا۔قرآن شریف کلام الٰہی ہے۔ یہ معنیٰ ومفاہیم کے دفتر سمیٹے ہوئے ہے۔اس پر مکمل گفتگو کرنا انسان کے بس کی بات نہیں، ذرا سی کوتاہی انسان کے لیے دین و دنیا میں عذاب کا باعث بن سکتی ہے،لیکن انور جلال پوری اپنے پختہ عقیدے کی وجہ سے بڑی کامیابی سے اس راستے سے گزرے۔ حقیقت ہے کہ عقیدت مندی ہی کو مشعل راہ بنا کر وہ قرآن پاک کے مفہوم کا منظوم ترجمہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔وہ اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

''قرآن پاک کے آیتوں کا جو مفہوم ہے۔ میں یہ تو نہیں دعویٰ کر سکتا کہ میں
سو فیصدی کامیاب رہا لیکن مجھے یقین ہے کہ میں اتنا کامیاب ضرور ہوں کہ
میں گناہ گار نہیں ہوں گا۔ اللہ مجھے معاف کر دے گا اگر کہیں کوئی غلطی ہوگئی۔''

۹

انور جلال پوری نے اس ترجمے کے لیے مولانا اشرف علی خاں، مولانا وحیدالدین خاں، مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور مولانا آزاد کے تراجم سے استفادہ کیا ہے۔ توشۂ آخرت کا انتساب انور جلال پوری نے اپنے والدین کے نام کیا۔ قرآن پاک کے تیسویں پارے میں 32 سورہ ہیں۔ انور جلال پوری نے ان سب کے مفہوم کو منظوم شکل میں پیش کیا ہے۔ انور جلال پوری نے اس ترجمے کے لیے بھی اپنے دوسرے تراجم کی طرح انتہائی سادہ، آسان لیکن عقیدت سے بھرپور اور پرکشش زبان کا استعمال کیا ہے۔ بحر مثنوی کی اختیار کی ہے۔ اس میں غنایت پائی جاتی ہے۔

''توشۂ آخرت'' کا مقدمہ دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے مہتم حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی نے لکھا جس میں انھوں نے انور جلال پوری کو عرب کے مشہور و مقبول شاعر حسان بن ثابت جیسا شاعر مانا ہے۔ حسان بن ثابت حضورؐ کے دور میں مقصدی شاعری کرنے والے بڑے شاعر تھے۔ چوں کہ انور جلال پوری بھی بامقصد شاعری کرنے والے منفرد شاعر تھے، اس لیے سعید الرحمٰن اعظمی نے انور جلال پور کو حسان بن ثابت کے برابر کھڑا کر دیا۔ دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے ہی استاد مولانا رئیس شاکری نے ''توشۂ آخرت'' کا دیباچہ لکھا جس میں انھوں نے اس کتاب کے متعلق اور انور جلال پوری کی پوری اسلامی شاعری سے مختصراً بحث کی ہے۔ اس کے بعد ''قرآن کتاب ہدایت و عمل'' کے نام سے خود انور جلال پوری نے ایک مضمون لکھا جس میں انھوں نے قرآن پاک کو ہدایت اور عمل کا پیکر قرار دیا ہے۔

''توشۂ آخرت'' میں انور جلال پوری نے سورۃ النسا سے سورۃ الناس تک تمام سورتوں کا منظوم مفہوم بیان کیا ہے۔سورۃ النسا سے پہلے سورۃ الفاتحہ کا منظوم مفہوم پیش کیا ہے۔ یہ سورہ مکیہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ سیدھے راستے پر چلنے کی دعا بھی مانگی گئی ہے۔قرآن شریف کی ابتدا اسی سورہ سے ہوتی ہے۔انور جلال پوری نے اس سورہ کے مفہوم کو یوں نظم کیا ہے:

وہی رب تو سارے جہانوں کا ہے
مکانوں کا ہے لامکانوں کا ہے
رحیم اور رحمٰن بھی اس کے نام
چلائے وہی سارے جگ کا نظام
قیامت کے دن بھی مالک وہی
اسی کے اشارے سے دنیا سبھی
تری ہی عبادت سے ہے واسطہ
مدد کے لیے ہے تجھی سے دعا
بس اب نیک انساں بنا دے ہمیں
جو ہے سیدھا رستہ دکھا دے ہمیں
وہ رستہ جو انعام والوں کا ہے
تیرے سچے پیغام والوں کا ہے
ہمیشہ سے ہیں جو ذلیل اور خوار
بچالے ہمیں ان سے پروردگار

مذکورہ بالا مثال سے انور جلال پوری کے اس قرآنی ترجمے کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ انور جلال پوری نے اس میں سادہ، سہل زبان کا استعمال کر کے ایک عام قاری کی رسائی بھی کلام الٰہی تک ممکن کردی۔ اس ترجمے کو پڑھنے سے ایمان میں تازگی اور روح کو تسکین ملتی ہے۔ واقعی ''توشۂ آخرت'' اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ انور جلال پوری کے لیے ''توشۂ آخرت'' ہے۔

اردو شاعری میں رباعیات خیام:

''اردو شاعری میں رباعیات خیام'' 2014 میں عمر رشید پبلی کیشنز سے شائع ہوئی۔ اس میں انور جلال پوری نے عمر خیام کی بہترین رباعیوں کے مفہوم کو منظوم کیا ہے۔

عمر خیام 1039 میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے وقت کے بڑے حکیم، فلسفی، دانشور، ماہر علم ریاضی اور سائنس داں تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ علم نجوم سے بھی واقف تھے لیکن دنیا میں ان کی شہرت فارسی رباعیات کی وجہ سے ہوئی۔ رباعیات کی وجہ سے آج بھی انھیں دنیا کے عظیم شاعروں میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ آج عمر خیام کی رباعیات کا ترجمہ دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ سب سے پہلے فٹز جرالڈ نے 1859 میں عمر خیام کی 75-70 رباعیات کا ترجمہ انگریزی میں کیا۔ اسی ترجمے نے عمر خیام کو عالمی شہرت کا حامل بنادیا۔ لیکن ہندستان میں عمر خیام کو بہت پہلے یہ مقبولیت حاصل ہو چکی تھی۔ جب 1446 میں راجہ مکھن لال نے ان کی رباعیات کا ترجمہ کیا۔ اس کے بعد اردو کے کئی شعرا و ادبا نے رباعیات عمر خیام کا ترجمہ کر کے انھیں ہندستان کے قارئین میں مقبول بنادیا۔ پھر بھی انور جلال پوری کے ترجمے کی اہمیت مسلم ہے۔ انور جلال پوری نے ان رباعیات کو اردو رباعی یا قطعہ کی شکل میں پیش نہیں کیا بلکہ ان کے مفہوم کو منظوم کر دیا اور انھیں نظم کی شکل دے دی۔ رباعی میں صرف چار مصرعے ہوتے ہیں۔ لیکن انور جلال پوری کے ترجمے میں مصرعوں کی کوئی حد نہیں ہر رباعی کے مفہوم کو آٹھ مصرعوں سے اوپر ہی

رکھا گیا ہے۔ یہاں صرف مفہوم کو لیا گیا ہے باقی انداز بالکل مختلف ہے۔انور جلال پوری نے اس ترجمے میں انتہائی سادہ، سہل اور عام فہم زبان کا استعمال کیا ہے جس سے ہندستان کے عام قارئین بھی فیض حاصل کر سکتے ہیں۔اس ترجمے کے پیش لفظ میں انور جلال پوری رقم طراز ہیں:

''میں نے عمر خیام کی رباعیات کا ہو بہو ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ ان کے مفہوم کا ترجمہ رباعی یا قطعہ میں بھی نہیں کیا ہے۔ میں نے مفہوم کو اردو نظم میں پیش کر دیا......زبان اتنی آسان ہے کہ دیوناگری رسم الخط والے بھی پڑھ کر بے انتہا لطف اندوز ہوں گے۔'' [10]

عمر خیام نے اپنی زندگی کے تمام تجربات اور مشاہدات کو فکری پہلوؤں میں ڈھال کر فلسفیانہ انداز میں رباعیات کی شکل میں پیش کیا۔انور جلال پوری نے ان رباعیات کو فارسی سے اردو میں نظم کیا۔ ''اردو شاعری میں رباعیات خیام'' میں شامل نظموں میں خیر مقدم،مخملیں سبزہ زار، دنیا کی لذت ،علم والے،انھیں بھی پی گئی مٹی،انگڑائی،کرنوں کی آواز،سال نو، سمے کا چہرہ،مرغ سحر،شاخ گل کی بہار، دل کی کدورت،امیدوں کی دنیا،ٹھہرنے کی جگہ، جنت کی تعریف،شیخ و برہمن سے ملاقات،گلابوں کی سرخی، نازک پتیاں،ایک جام،حسین اور برتر،دلکش گلشن،اپنی دولت،آؤ بیٹھو پاس،بدن کی پونجی،مستقل ٹھکانہ، سفر آسمانوں کا،وقت کی کوٹھری،تلخ سوال، دنیا کا ریگستان، بے کار کوششیں،موت کا ہاتھ،فلسفوں کا علم، مثبت ومنفی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔مجموعی طور پر اگر دیکھا جائے تو انور جلال پوری نے مختلف موضوعات کو نظم کر کے اردو شاعری کو تقویت بخشی اور موجودہ دور کی شاعری میں اہم کردار ادا کیا۔

روشنائی کے سفیر:

''روشنائی کے سفیر'' انور جلال پوری کے مضامین کا پہلا مجموعہ ہے جو 2009 میں پہچان پبلی

کیشنز، الہ آباد سے شائع ہوا۔ اس کتاب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انور جلال پوری کو زبان و بیان پر قدرت حاصل تھی اور ان کی نثر نگاری میں شائستگی، شگفتگی، ندرت بیان، شعری لطافت، اثر وگداز کے ساتھ ساتھ تخلیقیت کے بنیادی جواہر موجود ہیں۔ مشہور صحافی اور ہندستان میں Voice of America کے نمائندہ سہیل انجم اس کتاب کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''اگر کوئی مجھ سے پہلے پوچھتا کہ انور جلال پوری ایک اچھے شاعر اور ناظم مشاعرہ تھے یا ایک اچھے نثر نگار تو میں فوراً جواب دیتا کہ وہ تو شاعر اور ناظم تھے ان کا نثر سے کیا تعلق؟ لیکن جب میں نے ان کے مضامین کے مجموعے ''روشنائی کے سفیر'' کا مطالعہ کیا تو میں شش و پنج میں پڑ گیا۔ میرے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ اچھے شاعر تھے یا ایک بہترین نثر نگار سچ بات یہ ہے کہ وہ جتنے اچھے شاعر و ناظم تھے اتنے ہی اچھے نثر نگار بھی تھے۔'' [11]

''روشنائی کے سفیر'' 21 مضامین پر مشتمل مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں شامل ابتدائی مضمون ''مجھے کچھ کہنا ہے اپنی زبان سے'' میں انور جلال پوری نے نثر اور اس کتاب میں شامل مضامین کے تعلق سے اپنے نظریات اور خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس کے بعد تین مضامین ''جسے لکھنا ضروری تھا جسے پڑھنا ضروری ہے''، ''میں خود کو باندھنے میں کھل گیا'' اور ''یہ بستیاں ہماری'' ایسے ہیں جن میں انور جلال پوری کی زندگی، والدین کی شفقت، ایمانداری، تاریخی و تہذیبی جھلکیاں، قصبے کا گنگا جمنی ماحول، معاشی صورت حال، تعلیم کا آغاز، مکتب سے لے کر علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی تک تعلیمی مراحل، ملازمت اور نظامت کے سفر کی روداد کے علاوہ بہت سی باتیں درج ہیں۔ ان مضامین کے علاوہ اس کتاب میں 15 مضامین ایسے ہیں جو مختلف شخصیتوں پر لکھے گئے ہیں۔ یہ تمام شخصیات ایسی ہیں جنھوں نے کہیں نہ کہیں

شعوری یالاشعوری طور پرانور جلال پوری کے ذہن کومتاثر کیا ہے۔ بقول انور جلال پوری:

''یہ کتاب میرے تقریباً ڈیڑھ درجن مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان میں علامہ اقبال بھی ہیں۔ مولانا آزاد بھی۔ اس میں میرے احباب بھی ہیں اور میرے سینئر ادیب وشعرا بھی، میں نے اوپر لکھا ہے کہ ہمیں کس پر لکھنا ہے اور کس بارے میں لکھنا ہے۔ یہ فیصلہ ہماری نفسیاتی دلچسپیاں کرتی ہیں۔ میرے شعور، تحت الشعور اور لاشعور میں علامہ اقبال کی عظمت اور مولانا آزاد کی عبقریت رچی بسی ہوئی ہے۔ ان کے علاوہ جن شخصیات پر میرا قلم اٹھا ہے کہیں نہ کہیں سے ان کا اثر میرے دل ودماغ پر ضرور ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو خود بخود میری تحریر بے مقصد اور بے جان ہوجاتی۔'' ۱۲

ابتدائی چار مضامین کے علاوہ اس کتاب میں مندرجہ ذیل مضامین شامل ہیں:

(۱) اقبال کی عبقریت

(۲) اقبال آ گاہی کا نقیب

(۳) اقبال انسانیت کا پیغامبر

(۴) مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک تاریخی خطبہ

(۵) مولانا مظفر حسین کچھوچھوی اپنے پس منظر کے آئینے میں

(۶) مولانا ضمیر احمد صاحب محسن دیارما

(۷) نظامت کے جوہر خطابت کے گوہر

(۸) ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد اردو کا ایک تہذیبی ستون

(۹) ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد ایک ہر دل عزیز اور دل نواز شخصیت

(۱۰) میرے ذہن کا پہلا ساحر عمر قریشی

(۱۱) ثقلین حیدر ایک جینیس

(۱۲) کلاسیکل غزل کے محافظ خمار بارہ بنکوی

(۱۳) ڈاکٹر بشیر بدر، کچھ یادیں، کچھ تبصرے، کچھ تنقیدیں

(۱۴) راحت میرا یار

(۱۵) منور رانا اپنی مثال آپ

(۱۶) عشق و وفا کا شاہ کار ڈی۔این۔آریہ

(۱۷) مشاعرے قومی یکجہتی کی ضمانت

انور جلال پوری نے مندرجہ بالا تمام مضامین کو تاثراتی تبصرہ کہا ہے۔ زیادہ تر مضامین ادبی شخصیتوں پر لکھے گئے ہیں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انور جلال پوری کو ادب نوازوں سے کتنی محبت تھی اور ساتھ ہی ساتھ وہ انسانیت کی پہچان بھی رکھتے تھے۔ انھوں نے جو کچھ دیکھا، جو کچھ سمجھا اور جو کچھ پرکھا اسے غیر جانب دارانہ انداز میں پیش کیا۔ کسی کے ساتھ زیادتی یا کسی کو بڑھا چڑھا کر پیش نہیں کیا۔

سفیران ادب:

''سفیران ادب'' انور جلال پوری کا دوسرا مجموعہ مضامین ہے جسے ان کے لائق فرزند ارجمند ڈاکٹر جاں نثار عالم نے مرتب کر کے 2015 میں کلاسک آرٹ پریس دہلی سے شائع کیا۔ اس میں تقریباً 35 مضامین شامل ہیں جن میں صرف سات مضامین ایسے ہیں جو کسی شخصیت پر نہیں لکھے گئے۔

باقی تمام مضامین میں مختلف ادبی شخصیتوں کو موضوع بحث بنایا گیا۔ یہ تمام شخصیات ایسی ہیں جو خاموشی سے اردو ادب کی خدمت کر رہی ہیں اور جن سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ انور جلال پوری نے ان پر مضامین لکھ کر انھیں دنیا سے متعارف کیا۔ ڈاکٹر جاں نثار عالم اس کتاب کے ابتدائیے میں لکھتے ہیں:

> ''یہ کتاب اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ اس میں انور جلال پوری صاحب نے بہت سے ایسے شاعروں پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ جو ادب کی خدمت میں خاموشی کے ساتھ دور دراز قصبوں اور گاؤں میں رہ کر کر رہے ہیں اور جن پر موجودہ دور کے بڑے قلمکار بہت کم ہی لکھنے کا وقت نکال پاتے ہیں۔ انور صاحب نے ان پر مضامین لکھے ہیں تا کہ اگر کبھی اردو ادب کی تاریخ آنے والے وقتوں میں مرتب کی جائے تو کوئی ایسا سچا اردو کا ادیب و شاعر اس لیے نہ چھوٹ جائے کہ وہ مشاعروں میں شامل نہیں ہوتا تھا کہ دور دراز قصبوں میں رہتا تھا۔'' ۱۳

''سفیران ادب'' کا مقدمہ انور جلال پوری نے خود لکھا ہے۔

کتاب میں شامل مضامین میں سیدھے خیالات کی ٹیڑھی نظمیں، وسیم ملک ایک ملاقات ایک تعارف اسلام منزل بہ منزل ایک رائے ایک تبصرہ، گلشن بریلوی میری نظر میں، اس سے ہی پیار ہوا ہے جسے دیکھا ہی نہیں، ارشاد احمد شیدا شیدائے رسول عربی، ضرورت ہے پھر آج ایک مسیحا کی، بزم شنکر و شاد کے مشاعرے 2011 کی روداد وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان مضامین کے علاوہ انور جلال پوری نے چند مشہور شعرا کرشن بہاری نور، ریاست بجنوری، شاعر جمالی، بشیر فاروقی کو بھی شامل کیا ہے۔ انور جلال پوری نے اس کتاب میں چند اور شخصیتوں کی خوبیوں کو بیان کرتے ہوئے ان پر مختصر نوٹ بھی لکھا ہے جن

میں سعید الرحمٰن اعظمی، مولانا کلب صادق، پروفیسر نیر مسعود، وسیم بریلوی، ڈاکٹر سید احمد، مولانا جہانگیر احمد قاسمی اور چودھری شرف الدین کے نام شامل ہیں۔

اس کتاب کے آخر میں انور جلال پوری نے اپنے خاص دوست واحباب کی تعزیتیں پیش کی ہیں۔اپنے احباب سے بے انتہا محبت نے انھیں یہ تعزیتیں لکھنے پر مجبور کر دیا جن میں ثقلین حیدر، شاد فیض آبادی، فضا ابن فیضی، ساغر خیامی، مہدی جعفری، حامد بہرائچی، راجیوراز، عرفان عباسی، کرشن بہاری نور، شہر یار، پروفیسر ولی الحق انصاری، قیوم ناشاد، تمنا جمالی، خواجہ جاوید، پروفیسر مہدی حسن، سید سلطان محمد عارف، والی آسی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

قلم کا سفر:

''قلم کا سفر'' انور جلال پوری کے مضامین کا تیسرا مجموعہ ہے۔اس مجموعے کو بھی انور جلال پوری کے نور نظر لخت جگر ڈاکٹر جاں نثار عالم نے مرتب کر کے 2016 میں شائع کیا۔یہ کتاب 23 مضامین پر مشتمل ہے۔اس کتاب کا ابتدائیہ ڈاکٹر جاں نثار عالم نے لکھا ہے جس میں انھوں نے انور جلال پوری کے ادبی کارناموں پر تفصیلاً روشنی ڈالی ہے۔اس کے بعد خود انور جلال پوری نے اپنے ایک مضمون میں شاعری اور نثر کا تقابلی مطالعہ پیش کرتے ہوئے اپنی تمام نثری تصانیف کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔سہیل انجم نے بھی اس کتاب کے لیے ایک مضمون ''انور جلال پوری کی نثریہ شاعری: روشنائی کے سفیر'' کے نام سے لکھا ہے۔اس مضمون میں سہیل انجم نے انور جلال پوری کی نثر نگاری کے سرسری جائزے کے علاوہ ان کے پہلے مجموعے روشنائی کے سفیر کا تجزیہ بھی پیش کیا ہے۔سہیل انجم کا یہ مضمون ڈاکٹر جاں نثار عالم کی کتاب ''انور جلال پوری ادب کے آئینے میں'' میں بھی شائع ہو چکا ہے۔اس مضمون میں سہیل انجم، انور جلال پوری کی نثر نگاری کے حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

''انھوں نے جس طرح شاعری اور نظامت میں اپنا ایک انفرادی رنگ قائم کیا ہے اور اس کو ابھی تک برقرار رکھا ہے۔اسی طرح نثر نگاری میں بھی ان کی اپنی انفرادیت ہے جو انھیں دوسرے نثر نگاروں کے درمیان ایک الگ حیثیت عطا کرتی ہے،ان کی نثر انتہائی پرکشش، جاذب نظر اور شگفتہ ہے وہ ایک صاحب طرز قلم کار اور نثار ہیں۔ان کے اسلوب نگارش پر کسی اور نثر نگار کی کوئی چھاپ نہیں ہے۔جس طرح مشاعروں کی نظامت کے دوران ان کی زبان سے خوبصورت جملے ڈھلے ڈھلائے انداز میں ادا ہوئے ہیں اسی طرح مضامین میں بھی تراشیدہ جملے ان کی نثر کو خوبصورت بنادیتے ہیں۔''

۱۴ے

اس کتاب میں شامل مضامین میں آ ؤمل لومجاز صاحب سے، یوں ہی کوئی سقراط وسکندر نہیں ہوتا، کچھ ایسے پھول ہیں جن کو نہ مل سکا ماحول،عزیز اندوری کی غزلیں رومانیت اور دانشوری کا امتزاج، غزل میں اخلاقیات کا نقیب: نواز دیوبندی، جوہر کانپوری کے جوہر،کویت میں عامر قدوائی کی ادبی، شبینہ ادیب کے شب وروز،لتا سے حیا تک: خود کی تلاش کا ایک جمالیاتی سفر، کچھ مٹی کا سوندھ پن قابل ذکر ہیں۔

انور جلال پوری نے یہ مضامین لکھ کر اردو نثر کی دنیا میں ایک اہم مقام بنالیا۔ان کی نثری تخلیقات کا مطالعہ کرتے وقت ہم اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ وہ جتنے اچھے شاعر و ناظم تھے اتنے ہی اچھے نثر نگار بھی تھے۔انور جلال پوری کی ان تین نثری کتابوں کے علاوہ ایک اور نثری کتاب ''اپنی دھرتی اپنے لوگ'' ہے لیکن یہ کتاب دیوناگری رسم الخط میں لکھی گئی ہے اس لیے اس کو دیگر

تخلیقات میں شامل کیا جائے گا۔

حرفِ ابجد:

''حرف ابجد'' انور جلال پوری کا نعتیہ مجموعہ ہے جو 2010 میں شائع ہوا۔نعت کہنا کوئی آسان کام نہیں۔اس میدان میں پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے اور پھر اس محبوب حق کی خوبیاں بیان کرنا جس کی تعریف خود خدائے عز وجل نے کی ہو،آسان نہیں۔شاید اسی لیے عرفی کا کہنا ہے کہ نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔مگر انور جلال پوری اپنے پختہ عقیدے کی بنا پر اس پل صراط سے بڑی کامیابی سے گزرے۔ان کی نعتیہ شاعری کا خمیر قرآن واحادیث سے اٹھا ہے۔اسلم الہ آبادی ان کی نعتیہ شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

> ''انور جلال پوری نے جہاں حمدیہ شاعری کو اپنے خون جگر سے سینچا وہیں صنف نعت کے ذریعہ اپنی شناخت قائم کی۔حالانکہ حمدیہ شاعری میں بیانیہ کی آزادی ہے۔نعت میں آزادی کے امکانات کم ہیں۔حد بندیاں زیادہ ہیں۔کہیں کہیں شاعر جوش و جذبے میں نعت کو الوہیت کی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔'' ۱۵؎

''حرف ابجد'' میں مختلف موضوعات پر 44 نظمیں پیش کی گئی ہیں جن میں حمد،نعت،سلام،ملی ترانے وغیرہ شامل ہیں۔''حرف ابجد'' کی ابتدا شمسی قریشی کے مضمون ''نعتیہ شاعری اور جلال پور'' سے ہوتی ہے۔اس کے بعد انور جلال پوری کا مضمون ''جذبہ اور عقیدت'' پیش کیا گیا ہے۔اس مضمون میں انور جلال پوری نے جذبے اور عقیدت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ساتھ ہی ساتھ نعتیہ شاعری کا پس منظر بھی دکھایا ہے۔شاعری کا آغاز ''نغمۂ اللہ ھو'' کے عنوان سے ایک نظم سے ہوتا ہے جس میں انور جلال

پوری نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا نام دنیا میں ہمیشہ رہے گا۔ باقی سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ بس اللہ ھو کا نغمہ سدا رہے گا۔

اس لفظ کے شور سے گونجی تھی یہ صدا
اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو
کوئل کی گفتگو ہو کہ بلبل کی شاعری
پی پی پپیہے کی ہو کہ قمری کی نغمگی
ہر وقت کہہ رہاہے جھرنوں کا قہقہہ
اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو
تاریکیوں میں اس کی بدولت دیے جلے
اس درد سے ہمیشہ دلوں کا سکوں ملے
مکے فتح ہو کہ ہو ہجرت کا واقعہ
اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو
یونان و مصر و روم کے قصے بھی ختم ہیں
شاہوں کے رعب و دعب کے قصے بھی ختم ہیں
سب کی فنا باقی ہے تو ہی سرے خدا
اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو

اس کتاب میں شامل دیگر نظموں میں برکت قل ھواللہ، مزاج پیغمبر، سراپائے رسول، ترانۂ حجاز، دست رسول پاک، زمین، نماز، معجزۂ قرآن، عقیدۂ مومن، قرآن افضل، عظمت کعبہ، ذکر حق، ذکر خدا،

راستہ اسلام کا، بیداریٔ مسلمان، تحریر ازل، حال دل، عظمت حسین، نذرانۂ عقیدت، حجاز کی قسمت وغیرہ قابل ستائش ہیں۔ یہ نظمیں اتنی سلیس اور آسان زبان میں کہی گئی ہیں کہ انھیں ایک ہی نشست میں پڑھا جاسکتا ہے۔ جس زبان کا استعمال ان نظموں میں ہوا ہے اس میں مشکل سے ایسے الفاظ ملتے ہیں جن کے لیے عام قاری کو لغت کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔ انور جلال پوری نعتیہ اور حمدیہ شاعری کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے اور انھوں نے اپنے اس فرض کو پوری ایمانداری کے ساتھ انجام دیا ہے۔

بعد از خدا:

انور جلال پوری کی نعتیہ شاعری کا دوسرا مجموعہ 2010 میں ''بعد از خدا'' کے نام سے شائع ہوا۔ اس کتاب کے آغاز میں انور جلال پوری نے ''میری نعتیہ شاعری کا پس منظر'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے۔ جس میں انھوں نے اپنی نعتیہ شاعری کے مقصد کو بیان کیا ہے۔ اس کے بعد عنبر بہرائچی کا مضمون بعنوان ''جلوۂ نورِ ازل'' کو شامل کیا گیا ہے۔ پھر طارق قمر کا مضمون ''راوی لکھتا ہے'' کو پیش کیا گیا ہے۔

اس مجموعے میں مختلف موضوعات پر نظمیں بیان کی گئی ہیں لیکن سب سے خاص نظم ''جمال محمد ﷺ'' ہے۔ اس نظم میں رسول اکرم ﷺ کی منظوم سیرت کو بیان کیا گیا ہے۔ 92 بند پر مشتمل یہ طویل نظم انور جلال پوری کا شاہکار ہے۔ اس نظم کے حوالے سے انور جلال پوری رقمطراز ہیں:

> ''یہ نظم مجھے اپنی اتنی بڑی نمایاں کامیابی دکھائی پڑ رہی ہے کہ آئندہ میرے لیے اب اس جیسے چند بند کہہ پانا بھی ناممکن سا ہے۔'' [۱٦]

انور جلال پوری نے اس نظم میں ایک ترتیب دی ہے۔ آدم کی تخلیق کے قبل سے لے کر آدم کی تخلیق کے بعد تک کے تمام واقعات کو ایک تسلسل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ انور جلال پوری نے اس نظم میں

حضرت محمدؐ کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کا بیان انتہائی خوبصورت انداز میں کیا ہے۔ اس نظم کو پڑھ کر نور اول سے لے کر نورِ آخر تک، پیدائش سے لے کر یتیمی تک، بچپن سے نوجوانی تک، غارِ حرا سے غارِ ثور تک، بشریت سے رسالت تک، حیاتِ طیبہ کی مکمل تصویر قاری کے ذہن میں ابھر آتی ہے۔

''جمال محمدؐ '' کی ابتدا میں انور جلال پوری نے تخلیق کائنات کے منظر کو بہت ہی حسین پیرائے میں پیش کیا ہے۔ جب اللہ عزوجل شان نے اپنے نور سے نور پیدا کیا اور پھر اسی نور کے صدقے اس پوری کائنات کی تخلیق کی یعنی کائنات کی تخلیق سے قبل ہی اللہ کے حبیب اللہ کے ساتھ تھے:

وہ ازل کے دن سے پہلے کا سماں بے رنگ و نام
وہ عجب عالم کہ جس میں صبح تھی کوئی نہ شام
اک تصور کی عمارت جس میں کوئی در نہ بام
اک تخیل کا سفر بے منزل و جائے قیام
وہ خلا قسمت میں جس کی رات یا دن کچھ نہ تھا
جس میں متحرک نہ تھا کچھ اور ساکن کچھ نہ تھا
جانے کب سے اک خدا اور اس کی خلوت گاہ تھی
یہ فلک تھا اور نہ اس پر بزم مہر وماہ تھی
جانے کیا منشا تھا اس کا اور کیا کیا چاہ تھی
اس حقیقت سے تو اس کی ذات ہی آگاہ تھی
کوئی خاکہ عقل انسانی میں آسکتا نہیں
چشم حیرت میں کوئی نقشہ سما سکتا نہیں

اس نظم کا ہر بند الگ الگ پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے۔لیکن ربط و تسلسل ٹوٹنے نہیں پاتا۔ ہر مصرعہ رواں دواں ہے۔ زبان، سادہ اور سلیس ہے۔ یہ نظم مسدس کی شکل میں لکھی گئی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس مجموعے ''بعد از خدا'' میں شامل تقریباً ساری نظمیں مسدس کی ہیئت میں لکھی گئی ہیں۔ اسلامی تاریخ کے پس منظر میں یہ نظم انور جلال پوری کے وسیع مطالعے کا ثبوت ہے۔

راہرو سے رہنما تک:

انور جلال پوری نے خلفائے راشدین کی منظوم سیرت کو ''راہرو سے رہنما تک'' کے نام سے دسمبر 2012 میں کتابی شکل میں شائع کیا۔ خلفائے راشدین رسول اکرم کے چار یار تھے جنھوں نے آپؐ کے دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد کلام الٰہی اور دین مصطفیٰ کی حفاظت کی۔ اپنی بے پناہ کوششوں سے حضور کی تعلیمات کو اور کلام الٰہی کے احکامات کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلایا۔ ایسی شخصیتوں کی سیرت پر قلم اٹھانا واقعی جوئے شیر لانے کے متبادل ہے۔ مولانا عبدالعلی فاروقی نے کتاب میں شامل اپنے مضمون میں حسان بن ثابتؓ (حضورؐ کے زمانے کا مشہور شاعر) کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حسان بن ثابت نے سرور کائناتؐ کی شان میں ایک قصیدہ لکھا جسے سن کر رسول اکرمؐ نے فرمایا ایسا ہی ایک قصیدہ میرے یار ابوبکر صدیقؓ کے لیے لکھ کر لاؤ۔ اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سرور کائناتؐ کے یاروں کی سیرت پر قلم اٹھانا کتنے فخر کی بات ہے۔ انور جلال پوری کو اپنی بے پناہ عقیدت اور دین اسلام سے محبت کی بنا پر یہ فخر حاصل ہوا ہے۔ بقول انور جلال پوری:

> ''پیغمبر اسلام محمدؐ اور خلفائے راشدین کی سیرت کو منظوم کرنے کا دعویٰ کرنا بڑا
> نامکمل اور نامناسب دعویٰ ہے ہاں اپنے عقیدے کے احترام میں اپنی تھوڑی
> بہت معلومات کو شاعری بنادینا بھی میرے نزدیک بڑی عزت اور شرف کی

بات ہے۔'' لے

اس مجموعے''راہرو سے رہنما تک'' میں انور جلال پوری نے خلفائے راشدین کی مکمل سیرت کو بیان ہی نہیں کیا ہے بلکہ ان کی زندگی کے اہم گوشوں کو شعری قالب میں ڈھال کر پیش کیا ہے جسے پڑھنے سے انور جلال پوری کی عقیدت اور محبت اجاگر ہوتی ہے۔ اسے پڑھتے وقت کہیں بھی زبان نہیں رکتی، نہ ہی ذہن الجھتا ہے کیوں کہ اس میں ایک تسلسل اور روانی ہے۔ انور جلال پوری نے پہلے تین خلفائے راشدین (حضرت ابوبکرؓ، حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان غنیؓ) کی سیرت سن 1983 میں لکھی۔ خلیفۂ چہارم (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کی سیرت 2012 میں لکھ کر خلفائے راشدین کی سیرت کو مکمل کر کے اپنی عقیدت کا ثبوت دیا۔ اس کتاب کے آغاز میں وہ شعر ہے جس سے اس کتاب کا عنوان بھی لیا گیا ہے۔ شعر ملاحظہ فرمائیں:

راہرو تھے مگر آپ کے فیض سے رہنما ہوگئے دیکھتے دیکھتے
آتشِ عشق آقاؐ میں جو بھی جلے کیا سے کیا ہوگئے دیکھتے دیکھتے

سیرت حضرت صدیق اکبرؓ:

پہلے مینار خلافت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سیرت مبارکہ کو انور جلال پوری نے 4 جولائی 1983 میں نظم کیا۔ یہ نظم 63 بندوں پر مشتمل ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کو سچائی کی بنا پر صدیق کا لقب ملا۔ ایام جاہلیت میں بھی آپؓ اپنے خلق کے باعث نہایت معزز سمجھے جاتے تھے۔ رحمت کائناتؐ کے ساتھ بچپن ہی سے ان کو خاص اُنس اور خلوص تھا اور وہ آپؐ کے حلقۂ احباب میں ہی داخل تھے۔ انھیں اکثر تجارت کے سفروں میں بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ جب پیغمبر اسلام نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا تو انھوں نے بغیر کسی پس و پیش کے اسلام قبول کر لیا اور یوں وہ آزاد بالغ مردوں میں سب سے

پہلے اسلام قبول کرنے والے کہلائے۔انھوں نے قبول اسلام کے بعد تیرہ برس مکے میں گزارے جو سخت مصیبتوں اور تکلیفوں کا دور تھا۔ جب امام کائنات کو نبوت عطا ہوئی اور رحمت کائناتؐ نے مخفی طور پر احباب مخلصین کے سامنے اس حقیقت کو ظاہر فرمایا تو مردوں میں سب سے پہلے حضرت صدیق اکبرؓ نے آمنا وصدقنا کہہ کر اس کو تسلیم کیا اور پھر ان کے بہت سارے ساتھیوں نے اسلام قبول کیا۔

نبوت کا جب ان کے دوست نے اعلان فرمایا
خدائے پاک کی وحدانیت کا راز سمجھایا
عذابِ قبر سے سب کو ڈرایا اور دھمکایا
قیامت ایک دن آئے گی یہ سب کو بتلایا
یہ سُن کر بول اٹھے صدیق آمنا و صدقنا
کہا فوراً بلا تحقیق آمنا و صدقنا

اس سیرت مبارکہ میں انور جلال پوری نے حضرت صدیق اکبر کی زندگی کا خاکہ بڑی چابکدستی کے ساتھ کھینچا ہے۔مکی زندگی سے لے کر مدنی زندگی تک کے تمام احوال کو تسلسل کے ساتھ پیش کیا ہے اور ساتھ ہی آسان اور خوبصورت زبان استعمال کی ہے۔ایک جگہ انور جلال پوری لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق کا سلسلۂ نسب آٹھ پشتوں بعد رسول کائناتؐ سے ملتا ہے جب کہ روایت ہے کہ حضرت ابوبکر کا سلسلۂ نسب چھٹی پشت پر رسولؐ سے ملتا ہے۔

خلیل اللہ کے گلشن میں یہ بھی پھول کھلتا تھا
نبی سے آٹھ پشتوں بعد ان کا خون ملتا تھا

(انور جلال پوری)

''سیدنا ابوبکر ؓ کا سلسلۂ نسب چھٹی پشت میں مرہ پر امام کائنات سے مل جاتا ہے۔'' ۱۸

''حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کا نام عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن تیم بن مرہ بن کعب ہے۔مر بن کعب تک آپؓ کے سلسلۂ نسب میں کل چھ واسطے ہیں۔مرہ بن کعب پر جا کر آپؓ کا سلسلہ حضور نبی اکرمؐ کے نسب سے جاملتا ہے۔'' ۱۹

سیرت فاروق اعظمؓ:

خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کی سیرت کو انور جلال پوری نے 9جون 1983 میں 85بندوں میں بیان کیا۔حضرت عمر کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے جن کو دنیا میں ہی جنت کی بشارت ملی۔آپؓ رسول اکرمؐ کے خسر بھی تھے۔حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ کا شمار مکے کے ان لوگوں میں ہوتا ہے جو دور جہالت میں بھی پڑھ لکھ سکتے تھے۔جب حضورؐ نے پہلے پہل اسلام کی تبلیغ شروع کی تو حضرت عمرؓ ان کے مخالف تھے لیکن بہن کی زبان سے تلاوت قرآن پاک سننے کے بعد وہ رسول اکرمؐ کے گرویدہ ہوگئے اور انھوں نے اسلام قبول کیا۔ان کے اسلام قبول کرنے سے مشرکوں کو دھچکا لگا اور اسلام کو طاقت عطا ہوئی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دوسال خلافت کے بعد حضرت عمر فاروق نے حکومت سنبھالی۔آپؓ کا دور خلافت عدل وانصاف کا درخشندہ باب اور مثالی دور تھا۔آپ کے دور خلافت میں عراق،مصر،لیبیا، شام،ایران،خراسان،جنوبی آرمینیا وغیرہ فتح ہوکر ملک اسلامی میں شامل ہوئے۔قبلہ اول بیت المقدس کی شاندار فتح کا سہرا بھی آپ کے سر ہے۔آپؓ ہی نے اسلامی کلینڈر کی ابتدا ہجرت مدینہ کی بنیاد پر یکم محرم الحرام سے کرائی۔مفتوحہ علاقوں میں 900 جامع مساجد اور 4000 عام مساجد تعمیر کروا کر اس میں

تعلیم و تدریس کا انتظام کروایا۔ تاریخ کی سب سے پہلی مردم شماری، کرنسی سکے کا اجرا، مہمان خانوں کی تعمیر، لاوارث بچوں کی خوراک، تعلیم و تربیت کا انتظام دورفاروقی میں کیا گیا۔

دس برس کی خلافت کا کیا ہو بیاں
ان گنت کارناموں کی اک داستاں
اب بھی حیراں ہیں دنیا کے سب حکمراں
پھر نہ دیکھا کسی دور نے وہ سماں

سیرت حضرت عثمان غنیؓ:

خلیفۂ سوم حضرت عثمان غنیؓ کی سیرت کو انور جلال پوری نے جولائی 1983 میں تحریر کیا۔ یہ نظم 36 بندوں پر مشتمل ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ کا سلسلۂ نسب رسول اکرمؐ سے ملتا ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی نانی نبی پاکؐ کی پھوپھی تھیں۔ آپ اسلام قبول کرنے والوں میں چوتھے نمبر پر ہیں۔ اللہ کی راہ میں دولت دل کھول کر خرچ کرتے تھے۔ اسی بنا پر حضور اکرمؐ نے آپؓ کو غنی کا خطاب دیا۔ عثمان غنی نے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق کی دعوت پر اسلام قبول کیا۔

حضرت عثمان غنیؓ آپؐ کے داماد بھی تھے۔ دنیا میں صرف وہی ایک ایسے شخص ہیں جن کے نکاح میں رسول اکرمؐ کی دو صاحبزادیاں آئیں۔ اسی بنا پر آپ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔ جب عثمان غنی نے اسلام قبول کیا تو آپؐ نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا نکاح آپ سے کر دیا۔ حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد آپؐ نے اپنی دوسری بیٹی ام کلثوم کو آپؓ کے نکاح میں دے دیا۔ اس بات کا ذکر انور جلال پوری نے اس نظم میں یوں کیا ہے:

دو نسبتیں عثمان کی قسمت میں لکھیں تھیں

دو بیٹیاں سرکار نے عثمان کو دی تھیں
اسلام میں یہ فخر انھیں کو ہی ملا ہے
اعزاز یہ آقا نے انھیں کو ہی دیا ہے

سیرت حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ:

80 بندوں پر مشتمل حضرت علی مرتضٰی کی سیرت کو انور جلال پوری نے 11 اکتوبر 2012 میں قلم بند کیا۔ عثمان بن عفانؓ کی شہادت کے بعد صحابہ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ منتخب کیا۔ ان کے دور خلافت میں جگہ جگہ فتنے اٹھے مگر وہ کہیں بھی ڈگمگائے نہیں اور ہمت و جرأت کے ساتھ دین اسلام کی خدمت کرتے رہے۔ وہ پانچ سال کی خلافت میں پورے عالم اسلام پر چھا گئے۔

سیدنا علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ رسول اکرمؐ کے چچا زاد بھائی اور داماد بھی ہیں۔ آپؓ نے دس سال کی عمر میں ہی اسلام قبول کر لیا۔ قبل اسلام بھی انھیں نبی اکرم سے محبت تھی۔ حضرت علیؓ نے تیرہ سال نبی اکرم کے ساتھ گزارے اور دین اسلام کو پھیلانے میں مدد کی۔ لیکن جب مکے میں حالات بگڑ گئے تو انھوں نے مدینہ ہجرت کی۔ ابھی مکے سے مدینہ ہجرت کیے ہوئے ایک سال گزرا تھا کہ ابوسفیان کی قیادت میں مشرکین مکہ نے نہ صرف جنگی تیاریاں کیں بلکہ اسلحہ و فوج جمع کر کے خود رسولؐ کے خلاف مدینے پر چڑھائی کر دی۔ آپؐ نے یہ کسی طرح پسند نہ کیا کہ آپ شہر کے اندر رہ کر مقابلہ کریں اور دشمن کو یہ موقع دیں کہ وہ مدینے کی پرامن آبادی کو پریشان کر سکے۔ آپؐ کے ساتھ صرف 313 آدمی تھے۔ ہتھیار بھی نہ تھے مگر آپ نے طے کر لیا کہ آپ باہر نکل کر دشمن سے مقابلہ کریں گے۔ چنانچہ پہلی لڑائی اسلام کی ہوئی جو غزوہ بدر کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت علیؓ کو جنگ کا پہلا تجربہ تھا۔ 25 برس کی عمر تھی مگر وہ بڑی ثابت قدمی اور دلیری کے ساتھ میدان جنگ میں دشمنوں کے خلاف لڑتے رہے۔

یہ میداں بدر کا ہے شان ہی جس کی نرالی ہے
علی کی ہمت و جرأت یہاں دیکھو مثالی ہے
سیہ دن منکروں کا مشرکوں کی رات کالی ہے
یہاں دیکھو علی کو ایک بھی کیا وار خالی ہے
یہاں عتبہ و شیبہ واصلِ نارِ جہنم ہیں
نبیؐ خوش بھی ہیں کافی مطمئن ہیں اور بے غم ہیں

انور جلال پوری نے اس مجموعے میں تمام واقعات کو تسلسل کے ساتھ پیش کیا ہے اور اتنی سہل زبان کا استعمال کیا ہے جسے پڑھ کر قاری کو کسی بھی طرح کی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اگر مشکل زبان کا استعمال ہوتا تو قاری میں دلچسپی بڑھنے کے آثار کم ہوتے۔ انور جلال پوری نے عام فہم زبان کو ہی بہتر سمجھا اسی لیے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ اسی کامیابی کو دیکھتے ہوئے مولانا عبدالعلی فاروقی نے انور جلال پوری کا نام حفیظ جالندھری، اقبال سہیل، اثر زبیری اور ضیا لکھنوی جیسے عظیم شعرا کی فہرست میں شامل کیا ہے۔

دیگر تخلیقات:

انور جلال پوری کی دیگر تخلیقات میں ''ادب کے اکشر''، ''پیار کی سوغات''، ''جاگتی آنکھیں'' اور ''اپنی دھرتی اپنے لوگ'' شامل ہیں۔

ادب کے اکشر:

''ادب کے اکشر'' انور جلال پوری کی ہندی شاعری کا پہلا مجموعہ ہے جو 2014 میں شائع

ہوا۔اس میں انھوں نے اپنی ابتدائی شاعری کو پیش کیا ہے جس میں غزلیں،متفرق اشعار اور چند نظمیں شامل ہیں۔اس کتاب کا انتساب انھوں نے گوپال داس نیرج اور اودے پرتاپ کے نام اس لیے کیا ہے کیوں کہ وہ ہمیشہ انور جلال پوری کی آسان زبان، انسان دوستی، شاعرانہ سوچ اور ان کی ذاتی زندگی کی تہذیب کے مداح رہے ہیں۔اس کتاب کے حوالے سے انور جلال پوری اپنے ابتدائی مضمون میں یوں رقم طراز ہیں:

''اس کتاب (ادب کے اکشر) میں میری جو شاعری ہے بے شک اس میں کوئی بڑی سوچ نہیں ہے لیکن اس میں آپ کو شاعری کا لطف بھی ملے گا اور سچائی کی تازہ ہوا کا جھونکا بھی۔'' [۲۰]

پیار کی سوغات:

''پیار کی سوغات''انور جلال پوری کی غزلیہ شاعری کا مجموعہ ہے جو 2016 میں شائع ہوا۔اس میں انور جلال پوری نے اپنے اردو غزلیہ مجموعے''خوشبو کی رشتہ داری'' کی غزلیں دیوناگری رسم الخط میں پیش کی ہیں۔البتہ دوسری اور آخری چودہ غزلوں کو انھوں نے اپنے دوسرے اردو مجموعے''کھارے پانیوں کا سلسلہ'' سے منتخب کیا ہے۔اس کتاب کے ابتدائی مضامین بھی انور جلال پوری نے اردو مجموعے ''خوشبو کی رشتہ داری'' سے ہی لیے ہیں۔یعنی انھوں نے اپنے اردو غزلیہ مجموعے''خوشبو کی رشتہ داری'' کو''پیار کی سوغات'' کے نام سے دیوناگری رسم الخط میں شائع کیا۔اس لیے اس مجموعے پر تیسرے باب میں تفصیل سے بحث کی جائے گی۔

جاگتی آنکھیں:

انورجلال پوری کی غزلیہ شاعری کا ہندی مجموعہ ''جاگتی آنکھیں'' کے نام سے جولائی 2008 میں تنویر پریس، لال باغ، لکھنؤ سے شائع ہوا۔انورجلال پوری کا یہ مجموعہ ان کی شریک حیات عالمہ خاتون کے نام معنون ہے۔اس میں کل ملا کر 157 صفحات ہیں جس میں 63 غزلیں ہیں۔

اپنی دھرتی اپنے لوگ:

''اپنی دھرتی اپنے لوگ''انورجلال پوری کے ہندی مضامین کا مجموعہ ہے جو 2010 میں شائع ہوا۔

نظامت:

آزادی کے بعد جن لوگوں نے مشاعرے کو عوامی طور پر مقبول بنانے کا بیڑا اُٹھایا ان میں ثقلین حیدر، ملک زادہ منظور احمد، عمر قریشی اور انور جلال پوری کے نام قابل ذکر ہیں۔ ثقلین حیدر کا حافظہ زبردست تھا۔مشاعرے کو اردو کی خوشگوار فضا میں لانے میں انھیں مہارت حاصل تھی۔ملک زادہ منظور احمد نے مشاعروں کو ادبی وقار عطا کیا۔ان کی زبان بالکل عوامی کبھی نہیں رہی۔ سطحی گفتگو اور لطیفہ بازی سے انھوں نے ہمیشہ مشاعرے کو پاک رکھا۔عمر قریشی عوامی مشاعروں بالخصوص عام لوگوں کی پہلی پسند ہوا کرتے تھے۔وہ بڑے ڈرامائی اور افسانوی انداز میں شعرا کا تعارف کراتے تھے۔انورجلال پوری کی زبان نہ خالص ادبی تھی اور نہ ہی خالص ڈرامائی تھی بلکہ انھوں نے ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد کی علمی وادبی زبان اور عمر قریشی کی افسانوی زبان کو یکجا کر کے مرکب تیار کیا اور اپنے لیے ایک الگ راہ نکالی۔اپنے ایک انٹرویو میں اس حوالے سے بات کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:

> ''میں نے ملک زادہ صاحب کی جو ادبیت یا انکی جو ادبی زبان اور عمر قریشی کی جو افسانوی زبان ہے ان دونوں کے امتزاج سے میں نے اپنے لہجے کو

تربیت دینے کی کوشش کی اور میں اس میں کامیاب رہا۔کہیں نہ کہیں آپ
مجھے سنیے دیر تک مشاعرے میں تو آپ کو لگے گا۔کہیں نہ کہیں ملک زادہ
صاحب کا عکس ہے اور کہیں نہ کہیں عمر قریشی صاحب کی پرچھائی ہے۔'' ۲۱

انور جلال پوری نے اپنے ہنر اور سلیقے سے نظامت کے فن کو عروج تک پہنچایا۔ان کی تمہیدی گفتگو مشاعرے کو باوقار بناتی تھی اور کامیابی کی سند عطا کر دیتی تھی۔انور جلال پوری نظامت کے دوران ہمیشہ بھاری بھرکم لفظوں سے گریز، سہل اور عام فہم لفظوں کا با مقصد استعمال کرتے تھے۔انھوں نے غیر ضروری اور غیر ادبی لطیفوں، رکیک جملوں، سطحی اور غیر معیاری اشعار سے ہمیشہ مشاعرے کو پاک رکھا۔انور جلال پوری کی نظامت کی خاص بات یہ بھی تھی کہ وہ ہر قسم کے مشاعروں کی نظامت کا فن جانتے تھے،خواہ وہ عوامی مشاعرے ہوں یا خواص کے مشاعرے۔دورانِ نظامت نا ہی عوام الناس سے ان کا رشتہ منقطع ہوتا تھا اور نہ ہی علمی و ادبی طبقے سے۔بقول ڈی۔این۔آریہ:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ آج انور جلال پوری کا شمار ملک کے کامیاب
ترین ناظم مشاعرہ میں ہوتا ہے۔یہ عوام میں اتنے ہی مقبول ہیں جتنے خواص
میں۔'' ۲۲

مشاعرے کی نظامت ایک غیر معمولی فن ہے۔ہر روز مختلف علاقہ،مختلف قسم کے سامعین، مختلف قسم کے شعرا و شاعرات اور منتظمین سے واسطہ پڑتا ہے۔ایسے میں ایک ناظم مشاعرہ کو ان سب کے مزاج کا خیال رکھتے ہوئے مشاعرے کو منزل مقصود تک پہنچانا ہوتا ہے۔انور جلال پوری اس ہنر سے بخوبی واقف تھے۔مشاعرہ کس رخ پر جا رہا ہے اور کس جانب لے جانا ہے، وہ اچھے سے جانتے تھے۔ شعرا اور سامعین کے درمیان رشتہ قائم رکھنا، سامعین کے مزاج کے مطابق شعرا کو پڑھوانا اور مشاعرے

کے آخر تک عوام کو روکنے پر مجبور کرنا، ان کی نظامت کا ایک فن تھا۔ جب کبھی مشاعرہ کمزور ہوتا یا لڑکھڑاتا ہوا دکھائی پڑتا تو انور جلال پوری ایک قابل و فائق استاد کی طرح سمجھا بجھا کر مشاعرے کے ماحول پر سناٹا طاری کر کے شاعر کو اپنا کلام سنانے کے لیے پرسکون ماحول دستیاب کرانے میں ہمیشہ کامیاب رہتے تھے۔ بقول راحت اندوری:

''میں نے درجنوں مشاعروں میں انور بھائی کی نظامت کا ایسا جادو چلتے دیکھا ہے کہ ان کے ایک ایک جملے نے مشاعرے میں چلنے والی ہوا کا رُخ بدل دیا ہے۔ بعض شہر تو ایسے ہیں جہاں انور بھائی کی شرکت کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے، ان کے بغیر مشاعرے کی فہرست نامکمل ہے۔'' ۲۳

انور جلال پوری نے اپنی نظامت کا سفر 1962 سے شروع کیا۔ جب وہ نریندر دیو انٹر کالج میں زیرِ تعلیم تھے۔ انور جلال پوری نے پہلی بار 15 فروری 1969 کو جلال پور کے آل انڈیا مشاعرے کی نظامت کی۔ 19 فروری 1970 میں مرزا غالب جونیئر اسکول (جس کی بنیاد انور جلال پوری نے 1969 میں رکھی) نے اپنا پہلا آل انڈیا مشاعرہ منعقد کیا، اس کی صدارت نجم ردولوی نے کی اور نظامت کا شرف یہاں بھی انور جلال پوری کو حاصل ہوا۔ باقاعدہ طور پر انور جلال پوری 1976 میں بہ حیثیت ناظم زمانے کے سامنے آئے جب 6 نومبر 1976 کو ملک زادہ منظور احمد نے لکھنؤ میں ایک مشاعرہ منعقد کیا اور انور جلال پوری کو نظامت کے لیے مدعو کیا۔ اس مشاعرے کی صدارت آل انڈیا کانگریس کے صدر جناب دیو کانت بروانے کی۔ انور جلال پوری نے بڑی کامیابی کے ساتھ اس مشاعرے کو سنبھالا اور اپنی نظامت سے ایسی فضا باندھ لی کہ ہر طرف ان کی عزت افزائی ہوئی۔ اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے انور جلال پوری اپنی کتاب ''روشنائی کے سفیر'' میں یوں رقمطراز ہیں:

''6نومبر 1976 کولکھنؤ میں ایک تاریخی مشاعرے میں انھوں نے (ملک زادہ منظور احمد) بہ حیثیت ناظم مدعو کیا...... میرے لیے بڑی آزمائش کی گھڑی تھی۔مگر خدا نے مجھے عزت دی۔میری نظامت بہت کامیاب رہی۔ میں راتوں رات آل انڈیا ناظم بن گیا۔مشاعرہ ختم ہوتے ہی مجھے اور راحت اندوری کو تین مشاعروں کے دعوت نامے مل گئے......پھر کیا تھا ہم دونوں مشاعروں کی ضرورت بن گئے۔'' ۲۴

ملک زادہ منظور احمد کے متعلق انور جلال پوری یوں رقم طراز ہیں:

''ڈاکٹر صاحب نے میرے اوپر یقین کیا مجھے موقع فراہم کروائے۔انھیں کے یقین کے بھروسے میں آگے بڑھتا اور ترقی کی منزلیں سر کرتا چلا گیا۔''

۲۵

انور جلال پوری نے نہ صرف ہندستان بلکہ دنیا کے متعدد مما لک میں مشاعروں کی نظامت کے فرائض بخوبی انجام دیے۔مشاعروں کے توسط سے انھوں نے دنیا کے کئی مما لک کی سیر بھی کی۔اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انور جلال پوری نے نہ صرف ملکی سطح پر بلکہ عالمی سطح پر بھی اپنی نظامت کا لوہا منوایا۔ بقول انور جلال پوری:

''مشاعروں کی نظامت نے مجھے بڑی عزت اور شہرت دی۔دبئی،شارجہ، ابوظہبی،مسقط،قطر اور بحرین کے مشاعروں کے علاوہ پاکستان اور سعودی عرب کے مشاعروں میں بھی بارہا نظامت کرنے کا شرف حاصل ہوا......امریکہ جہاں وضو ٹوٹ جانے کا ہردم خطرہ رہتا ہے وہاں بھی

2001 اور 2004 میں جانے کا اتفاق ہوا۔ امریکہ میں ڈیڑھ درجن شہروں کے مشاعروں کی نظامت کا موقع ملا۔'' ۲٦

بقول معراج فیض آبادی:

''مشاعروں میں رات بھر بے چہرگی کا پورٹریٹ بنانے کا ہنر نظامت کہلاتا ہے۔اور انور کا یہ ہنر بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکا ہے۔'' ۲۷

انور جلال پوری کو اپنے 50 سالہ مشاعروں کے سفر کے دوران جن عظیم شاعروں کی نظامت کا شرف حاصل ہوا ان میں فراق گورکھپوری، علی سردار جعفری، مجروح سلطان پوری، کیفی اعظمی، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، جگن ناتھ آزاد، جون ایلیا، احمد فراز، دلاور فگار، قتیل شفائی، پروین شاکر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ 24 دسمبر 2017 کو انور جلال پوری نے بسواں سیتا پور میں ایک مشاعرے کی نظامت کی۔ یہ ان کی آخری نظامت ثابت ہوئی۔ کیونکہ کچھ دن بعد ہی وہ اس فانی دنیا کو الوداع کہہ گئے۔اس مشاعرے کے لیے انور جلال پوری نے اتفاق سے جس غزل کا انتخاب کیا تھا۔اس سے محسوس ہوتا ہے جیسے انھیں پہلے سے ہی اپنی موت کا اندازہ ہو گیا تھا۔غزل کے پہلے دو شعر ملاحظہ فرمائیں:

میری بستی کے لوگو اب نہ روکو راستہ میرا
میں سب کچھ چھوڑ کے جاتا ہوں دیکھو حوصلہ میرا
میں خودغرضوں کی ایسی بھیڑ میں اب جی نہیں سکتا
میرے جانے کے فوراً بعد پڑھنا فاتحہ میرا

فلمی گیت:

''گیت اور سنگیت ہمارے چاروں طرف کے واتاورن

(Atmosphere)میں آکسیجن (Oxygen) کی طرح تیر رہے

ہیں۔یہی آکسیجن ہماری روح کوغذا فراہم کرتی ہے۔'' ۲۸؎

انور جلال پوری اپنی زندگی کے آخری لمحے تک اردو ادب کی خدمت کرتے رہے۔لیکن اس زندگی کا ایک قیمتی سال انھوں نے ٹی وی دنیا کے نام بھی کیا۔ مارچ 1996 سے لے کر فروری 1997 تک انور جلال پوری نے اپنے وقت کے مشہور سیریل ''اکبر دی گریٹ''(Akbar The Great) کے مکالمے ترتیب دیے۔ مکالموں کے علاوہ انھوں نے اس سیریل کے لیے گیت بھی لکھے۔جس کی موسیقی مشہور موسیقار نوشاد نے ترتیب دی تھی۔اس سیریل کے لیے لکھے گئے گیتوں میں کئی ایسے گیت ہیں جو کافی مشہور ہوئے۔مثال کے طور پر یہ ذیل کا نمونۂ کلام ملاحظہ فرماتے چلیں:

ہم کاشی کعبہ کے راہی ہم کیا جانیں جھگڑا بابا

اپنے دل میں سب کی الفت، اپنا سب سے رشتہ بابا

انور جلال پوری نے اس سیریل کے لیے بہت سارے گیت لکھے تھے۔سریل مکمل نہ ہونے کی وجہ سے کئی گیت سیریل میں شامل نہیں کیے گئے اور انور جلال پوری انھیں اکبر خان کے آفس میں ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ سیریل کے علاوہ انور جلال پوری نے فلمی طرز پر بھی گیت لکھے۔اگر اُن گیتوں کو سنگیت سے سجایا جائے تو یقیناً وہ مقبول عام ہو جائیں گے۔صرف ایک گیت کا بند ملاحظہ فرمائیں:

سسک رہی ہے زندگی حیات بانٹ دو

تم آج اپنے حسن کی زکوٰۃ بانٹ دو

مہکتی ہے تمہارے دم سے آج یہ فضا

تمہاری بات چیت میں ہے کس قدر مزہ

یہ مست مست گفتگو یہ بات بانٹ دو
تم آج اپنے حسن کی زکوٰۃ بانٹ دو

ابتدائی زمانے میں پہلے گیت کارکوفلم کے سین سمجھائے جاتے تھے۔اسی کے مطابق گیت ترتیب دیے جاتے تھے اور پھران گیتوں کودھنوں پر پرویاجاتا تھا۔لیکن آج کل پہلے دھنیں بنائی جاتی ہیں اور پھرانھی دھنوں کے مطابق گیت کارگیت تیارکرتا ہے۔انورجلال پوری نے بھی رواج زمانہ کے مطابق دھنوں پر چندگیت ترتیب دیے ہیں۔

انورجلال پوری نے ''ڈوئٹ سانگ'' بھی لکھے ہیں۔''ڈوئٹ سانگ'' آج فلمی دنیا کی ضرورت بن گئے ہیں۔ ہرفلم میں ایک دو''ڈوئٹ سانگ'' ہوتے ہیں۔انورجلال پوری نے بھی اس طرح کے بہت سارے گیت لکھے ہیں جن میں ہیرو ہیروئن کے احساسات وجذبات کو بہت ہی خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ایک گیت بطورنمونہ ملاحظہ فرمائیں:

ہیرو:

تم پرستان کی اک پری ہی سہی
اور آنکھوں میں جادو گری ہی سہی
پھر بھی جس وقت چاہوں گا میں جان من
بانسری بن کے ہونٹوں سے لگ جاؤ گی

ہیروئن:

تم زمیں پر ہو یا آسماں پر رہو
چاند تاروں میں یا کہکشاں پر رہو

پھر بھی جس وقت چاہوں گی میرے صنم
روشنی بن کے آنکھوں میں بس جاؤ گے

مذکورہ بالا گیتوں سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انور جلال پوری نے کس قدر معیاری فلمی گیت لکھے۔ ہر جذبے کو سہل مگر خوبصورت اور پر اثر الفاظ کا جامہ پہنایا۔ کہیں پر بھی خوب صورت، خوش گوار اور مسحور کر دینے والے انداز نے شاعری کا دامن نہیں چھوڑا۔ مگر آج تک ان گیتوں کو ہندی سنیما میں جگہ نہیں ملی۔ توقع ہے کہ آنے والے وقت میں ہندی سنیما انور جلال پوری کے اس قیمتی سرمائے سے ضرور استفادہ کرے گا۔

*****

حواشی

۱۔ پروگرام: ایک ملاقات، مہمان انور جلال پوری، میزبان معین شاداب، 9 اگست 2015

۲۔ بحوالہ مضمون: ہندی اور اردو پر سمان ادھکار، از گوپال داس نیرج، اردو شاعری میں گیتا/ص: 11

۳۔ بحوالہ مضمون: حرفے چند، از عاجز ماتوی، اردو شاعری میں گیتا/ص: 24

۴۔ پروگرام: ایک ملاقات، مہمان انور جلال پوری، میزبان معین شاداب، 9 اگست 2015

۵۔ ایضاً

۶۔ بحوالہ مضمون: میں اور میرا قلم، از انور جلال پوری، اردو شاعری میں گیتا نجلی/ص: 12

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً

۹۔ انور جلال پوری سے ایک انٹرویو، از مہتاب عالم/ 10 اپریل 2016

۱۰۔ بحوالہ مضمون: انور جلال پوری کی منظوم ترجمہ نگاری، از سراج نقوی، انور جلال پوری ادب کے آئینے میں/ص: 44

۱۱۔ بحوالہ مضمون: انور جلال پوری شاعر ہی نہیں بہترین نثر نگار بھی تھے، از سہیل انجم، اودھ نامہ/ 5 جولائی 2018

۱۲۔ مجھے کچھ کہنا ہے اپنی زبان سے، از انور جلال پوری، روشنائی کے سفیر/ص: 8-7

۱۳۔ سفیران ادب/ص: 10

۱۴۔ بحوالہ مضمون: انور جلال پوری کی نثریہ شاعری: روشنائی کے سفیر، از سہیل انجم، انور جلال پوری ادب کے آئینے میں/ص: 159

۱۵؎ بحوالہ مضمون: نعتیہ شاعری، از ڈاکٹر اسلم الہ آبادی، انور جلال پوری شخصیت اور ادبی جہات/ص:36

۱۶؎ بحوالہ مضمون: ادب کی مجسم تصویر: انور جلال پوری، از سلمان عبدالصمد، ادبی نشیمن، مارچ2018 تا مئی2018 /ص:34

۱۷؎ بحوالہ مضمون: میرے جذبات، از انور جلال پوری، راہرو سے رہنما تک/ص:8

۱۸؎ طبقات ابن سعد قسم اوّل جز ثالث/ص:119

۱۹؎ بحوالہ مضمون: حضرت ابوبکر صدیقؓ: حیات وسیرت پر ایک نظر، از علی اکبر الازہری، ماہنامہ منہاج القرآن، مارچ2016

۲۰؎ ادب کے اکشر، از انور جلال پوری/ص:6

۲۱؎ انور جلال پوری سے ایک انٹرویو، از فرحت احساس، 26 اگست 2014

۲۲؎ بحوالہ مضمون: اردو کا باکمال شاعر وادیب، از ڈاکٹر ڈی۔این۔آریہ، انور جلال پوری ادب کے آئینے میں/ص:115

۲۳؎ بحوالہ مضمون: کھارے پانیوں کی میٹھاس، از ڈاکٹر راحت اندوری، انور جلال پوری ادب کے آئینے میں/ص:78

۲۴؎ بحوالہ مضمون: میں خود کو باندھنے میں کئی کھل گیا، از انور جلال پوری، روشنائی کے سفیر/ص:37

۲۵؎ بحوالہ مضمون: انور جلال پوری: میری نظر میں، از ڈاکٹر معراج احمد، انور جلال پوری ادب کے آئینے میں/ص:191-192

۲۶؎ بحوالہ مضمون: میں خود کو باندھنے میں کئی کھل گیا، از انور جلال پوری، روشنائی کے

سفیر/ص:38-37

۲۷ بحوالہ مضمون: انور جلال پوری شگفتگی اور برجستگی کا شاعر، از معراج فیض آبادی، انور جلال پوری ادب کے آئینے میں/ص:103

۲۸ ادب کے اکشر/ص:5

باب سوم

انور جلال پوری کی غزلیہ شاعری کا فکری و فنی مطالعہ

انور جلال پوری کی غزلیہ شاعری کا فکری وفنی مطالعہ

زمانۂ قدیم سے لے کر آج تک غزل نے اردو شاعری پر راج کیا ہے۔ حالاں کہ جتنی مخالفت غزل کی ہوئی ہے، شاید ہی اتنی مخالفت کسی اور صنف کی ہوئی ہو۔ لیکن اس کے باوجود غزل آج تک تابندہ نظر آتی ہے۔ موجودہ دور کو فکشن کا دور کہا جاتا ہے۔ لیکن غزل اپنی دلکش اور حسین لچک کی وجہ سے آج بھی اپنا الگ مقام رکھتی ہے۔ بقول انور جلال پوری:

> ''غزل ہماری شاعری کی تمام اصناف میں قومی ترانہ کا درجہ رکھتی ہے۔ غزل شاعری کی تہذیب کے ماتھے کا جھومر ہے۔ غزل جمہور کی پسند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی شاعر اس صنف سے بے نیازی نہیں برت سکا۔ میری روحانی تسکین بھی غزل گوئی ہی میں ہے۔ میرے داخلی کرب و مسرت کا بہترین اظہار غزل ہی ہے۔'' [1]

انور جلال پوری نے اپنی شاعری کا آغاز 1960 میں غزل گوئی سے کیا۔ یہ غزل کی روایت رہی ہے کہ جب بھی کوئی شاعر شاعری کا آغاز کرتا ہے تو پہلے حسن و عشق جیسے موضوعات سے کام لیتا ہے۔ انور جلال پوری کے یہاں بھی ایسا ہی کچھ دیکھنے کو ملتا ہے لیکن جیسے جیسے مطالعہ بڑھتا گیا ویسے ویسے فکر میں تبدیلی آتی گئی۔ انور جلال پوری کی غزلوں کا پہلا مجموعہ ''کھارے پانیوں کا سلسلہ'' 1984 میں شائع ہوا اور دوسرا مجموعہ ''خوشبو کی رشتہ داری'' 2000 میں سامنے آیا۔ ان دو مجموعوں کے علاوہ انور جلال پوری کا ایک اور مجموعہ ''جاگتی آنکھیں'' 2008 میں منظر عام پر آ چکا ہے۔ یہ مجموعہ دیوناگری رسم الخط میں ہے۔ انور جلال پوری کے زیادہ تر اشعار سنجیدہ ہیں۔ زندگی سے براہِ راست ان کا رشتہ ہے۔ انور جلال پوری

نے اپنے اردگرد کے حالات وواقعات اور اپنی زندگی کے داخلی وخارجی حالات کو اپنے اشعار میں پیش کیا ہے مگر اتنی آسان اور خوبصورت زبان میں پیش کیا ہے کہ عام قاری بھی بغیر کسی دشواری کے ان سے لطف اندوز ہوسکتا ہے۔ اگرچہ ان کے اشعار میں لب ولہجہ آسان ہے لیکن ان میں فکر کی گہرائی نظر آتی ہے۔ اپنی غزلیہ شاعری کے حوالے سے انور جلال پوری یوں رقم طراز ہیں:

''جو لوگ میری گفتگو اور میری تقریریں توجہ سے سن لیتے ہیں اور میری نثری تحریریں پڑھنے میں دلچسپی رکھتے ہیں جنھوں نے میری نعتیہ شاعری پر مجھے دعائیں دی ہیں۔ انھیں میری غزلوں کے اشعار بھی غور سے پڑھنے چاہیے۔ میری غزلوں میں کوئی منطق ہے نہ فلسفہ، نہ میری غزلیں آپ کو تلمیحات اور تمثیلات کی بھول بھلیّوں میں گم کریں گی، نہ تو کم اردو داں قاری کو لغات کا محتاج ہونا پڑے گا۔ میری زبان عوامی ہے، میری گفتگو خصوصی۔ اہل نظر، اہل جنوں، اہل خرد، ان سبھی سے میری شاعری کے رشتے ہیں'' ۲

غزلیہ شاعری کی پہچان تین بنیادی چیزوں سے ہوتی ہے: زبان و بیان، مضمون اور بندش۔ اس میں انور جلال پوری نے اپنے تجربات اور ندرت تخیل سے نئے جوت جگائے ہیں۔ انھوں نے چھوٹی بڑی بحروں میں غزلیں لکھی ہیں جن میں تازگی ہے جو ان کی امتیازی خصوصیت ہے۔ زبان کی شائستگی، مضامین کا تنوع، تہذیب وتمدن کی چاشنی، انسانیت کا احترام اور عقیدت، اسلوب اور لہجے کی طرح داری، تشبیہات اور ترکیبوں کی ندرت، لہجے کی شیرینی اور متانت وغیرہ جیسی ان سب صفات نے انور جلال پوری کی غزلیہ شاعری کو وقار بخشا۔ ان کی غزلیں داخلی اور خارجی حالات و واقعات کی آئینہ دار ہیں۔ انور جلال پوری نے جو دیکھا، محسوس کیا، وہی بیان کیا۔ انور جلال پوری نے اظہار خیال کے درمیان پردے

حائل نہیں ہونے دیے۔ وہ دل کی کیفیات، عشق ومحبت، تہذیب وتمدن کے نقوش اس سچائی کے ساتھ ابھارتے ہیں کہ ان کی اصلیت ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

غرض انور جلال پوری نے اپنی غزلیہ شاعری میں زندگی کی اعلا قدریں سموئی ہیں۔ انھوں نے اپنی غزلیہ شاعری میں اپنے دور کے داخلی اور خارجی حالات کو بڑی کامیابی سے سمولیا جس سے وہ اپنے دور کی آواز بن گئے۔

موضوعات:

انور جلال پوری کے یہاں موضوعات کا تنوع دیکھنے کو ملتا ہے۔ انھیں اردو کے ساتھ ساتھ ہندی، انگریزی اور فارسی پر خاصی دسترس حاصل تھی جس کی وجہ سے انھیں زبان و بیان پر کافی عبور حاصل تھا۔ ایک ادیب اور شاعر جس طرح اپنے تجربات ومشاہدات کو اپنی تخلیقات میں پیش کرتا ہے۔ اسی طرح کی کوشش انور جلال پوری نے بھی کی۔ جو چیزیں ان کے تخیل میں موجود تھیں، انھی کو اپنی غزلوں میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ انور جلال پوری اس وقت تک قلم نہیں اٹھاتے جب تک کوئی واقعہ انھیں متاثر نہیں کرتا۔

انور جلال پوری نے زندگی کے مدوجزر کا کافی تجربہ کیا۔ اس لیے ان کی شاعری میں ہر طرح کے موضوعات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ وہ جہاں ایک طرف محبوب کی باتیں کرتے ہیں وہیں دوسری طرف عام انسان کی پریشانیوں اور غموں کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ ان کے یہاں تنہائی کا پہلو بھی نظر آتا ہے اور ساتھ ساتھ ماضی سے الگ ہونے کا غم بھی ہے۔ وہ زندگی سے مایوس نظر آتے ہیں مگر امید کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

انور جلال پوری اپنے اشعار کے ذریعے قاری کو زندگی کی حقیقت سے روشناس کراتے ہیں۔

انھیں اپنے وطن سے محبت ہے، اپنے ماضی سے لگاؤ بھی ہے۔ انور جلال پوری کو روایت سے کٹ جانے کا دکھ بھی ہے اور وہ حال سے مایوس بھی نظر آتے ہیں۔ دنیا کی بے ثباتی کی باتیں بھی کرتے ہیں اور موت کے بعد اصل زندگی کو تسلیم بھی کرتے ہیں۔ قدروں کی پامالی، رشتوں کا بکھراؤ، گھریلو حالات، انسانی سماج کا بکھراؤ، ماضی کی یاد، حالات کا جبر و استحصال، عام انسان کی پریشانیاں، صارفیت، مادہ پرستی، فرقہ وارانہ فسادات وغیرہ جیسے موضوعات انور جلال پوری نے اپنی غزلوں میں سموئے ہے۔

عشقیہ موضوعات:

عشق ہماری شاعری کا سب سے فعال اور غالب موضوع رہا ہے۔ عشق ایک ایسی کیفیت ہے جس سے کوئی دل خالی نہیں ہوتا۔ عشق حقیقی ہو یا عشق مجازی، بہر حال انسان کا دل عشق سے معمور ہوتا ہے۔ انور جلال پوری کی غزلوں میں حقیقی اور مجازی عشق دونوں ملتے ہیں۔ لیکن مجازی عشق کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔ انور جلال پوری اپنی غزلوں میں کبھی ہجر کی باتیں کرتے ہیں تو کبھی وصال کی۔ کہیں پر محبوب کی بے وفائی کا ذکر تو کہیں پر محبوب سے بچھڑنے کا درد بیان کرتے ہیں۔

برسوں کا یار کوئی بچھڑتا ہے جس گھڑی
ہوتی ہے وہ گھڑی بھی بڑے امتحان کی

اس سے بچھڑ کے دل کا عجب ماجرا رہا
ہر وقت اس کی یاد رہی تذکرہ رہا

میں اہمیت کا اس کی تھا نہیں قائل
وہ مجھ سے جب تلک روٹھا نہ تھا

ابھی تو شام ہے اے دل ابھی تو رات باقی ہے

امید وصل و ہجر یار کی سوغات باقی ہے
یہ وصل نہیں ہجر کے لمحات کی شب ہے
اس رات کو ڈھلنے میں ذرا دیر لگے گی

انور جلال پوری کے یہاں اگر چہ بہت سارے اشعار ہجر کے موضوع پر ملتے ہیں لیکن یہاں ان کی خوبی یہ ہے کہ وہ اس ہجر میں روتے نہیں اور نہ ہی مایوس ہوتے ہیں بلکہ ہمت اور حوصلے سے کام لیتے ہوئے اسے اپنی طاقت بناتے ہیں۔ وہ اپنے محبوب کی ستم ظریفی کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرتے ہیں:

میں خوش ہوں میرے واسطے وہ بن کے بے وفا
میری تمام سوچ کو گہرائی دے گیا
میرا دل غم و آلام کا اک شعلہ ہے
میرا چہرہ مگر اس آگ میں جھلسا ہی نہیں
تو مجھے پاکے بھی ناخوش تھا یہ قسمت تیری
میں تجھے کھوکے بھی خوش ہوں یہ جگر میرا

انور جلال پوری کی محبت پاکیزہ نظر آتی ہے۔ انھوں نے اپنے اشعار سے قاری کی توجہ اس بات کی طرف مرکوز کرنے کی کوشش کی ہے کہ عشق اب پہلے جیسا جذبہ نہیں رہا۔ عشق تو اب کاروبار بن گیا ہے۔ انور جلال پوری نے اپنی غزلوں میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اس مادیت پرست دنیا میں محبت نام کی کوئی چیز اب رہی ہی نہیں ہے۔ انسان صرف شکل وصورت، خدوخال اور جسم سے پیار کرنے لگا ہے اور انسان اپنے فائدے کے لیے اس پاک جذبے کا استحصال کر رہا ہے۔ ان کی غزلوں سے چند

اشعار ملاحظہ فرمائیں:

پیار، محبت، عشق مروت بے معنی سے ہیں الفاظ
اس یگ میں یہ روح نہیں سب جسم کے کاروبار کے نام
کس نے کس سے پیار کیا
سب نے کاروبار کیا
ہر اک نے اس پریم شبد کا
سوچو تو بیوپار کیا ہے
عشق کا ہے اک نام ہوس بھی
یہ کس نے انکار کیا ہے
اب غرض چاروں طرف پاؤں پسارے ہے کھڑی
اب کسی کا کوئی محبوب نہیں ہوتا

شاعری جب بلندی پر ہوتی ہے تو مجاز ازخود حقیقت کے پیمانے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ انور جلال پوری کے یہاں بھی ایسے مصرعے اور اشعار دیکھنے کو ملتے ہیں جو بیک وقت مجازی کے ساتھ ساتھ عشق حقیقی کے زمرے میں رکھے جا سکتے ہیں۔ یعنی ان کی شاعری مجازی سے گزر کر حقیقت تک پہنچتی ہے اور ان کی مجازی شاعری میں رومان اور حقیقت کا ایک تسلسل ملتا ہے جس میں شوخی اور ندرت خیال، فکر اور احساس جذبہ اپنی پوری توانائی کے ساتھ سامنے آجاتے ہیں:

کچھ دنوں سے اک عجب معمول ان آنکھوں کا ہے
کوئی آئے یا نہ آئے پھر بھی رستہ دیکھنا

ڈھونڈھنا گلشن کے پھولوں میں اسی کی شکل کو
چاند کے آئینے میں اس کا ہی چہرہ دیکھنا
پیار سچا ہو تو ہوتاہے سمندر جیسا
ڈوبنے والا کبھی جس سے ابھر تاہی نہیں

سیاسی موضوعات:

انور جلال پوری کی غزلوں کا ایک اہم پہلو سیاست ہے۔وہ گہرا سیاسی شعور رکھتے تھے۔ حالاں کہ سیاست سے ان کا دور دور تک کا واسطہ نہیں تھا۔اس کے باوجود وہ اپنے دور کے سیاسی حالات سے بخوبی واقف تھے۔انور جلال پوری نے جب آنکھیں کھولیں،اس کے ایک سال بعد ہی ملک کا بٹوارہ ہوگیا۔اس کے بعد امت مسلمہ کو جو بے یارو مددگار، دربدری اور بے سروسامانی کا عذاب جھیلنا پڑا، ان حالات سے انور جلال پوری بخوبی واقف تھے۔انور جلال پوری اس تقسیم کا الزام نہ تو غیروں پر ڈالتے ہیں اور نہ ہی برادران وطن پر بلکہ وہ اس خوں ریزی کے لیے سیدھے اپنے ملک کے سیاست دانوں اور بزرگوں کو نشانہ بناتے ہیں جن کے غیر ذمے دارانہ رویے، نااہلی، بزدلی اور خوف وہراس کی وجہ سے اتنا بڑا المیہ سامنے آیا۔انور جلال پوری نے ہجرت یعنی تقسیم ہند پر بہت سارے اشعار کہے ہیں۔انھوں نے ہجرت کے معنی کو تاریخی حوالوں کے ساتھ قاری کو سمجھایا ہے:

نہ بام و در نہ کوئی سائبان چھوڑ گئے
میرے بزرگ کھلا آسمان چھوڑ گئے
ہمیں گلہ بھی ہے انور تو صرف ان سے ہے
جو لوگ خوف سے ہندستان چھوڑ گئے

موسم کے ساتھ سارے مناظر بدل گئے
لیکن یہ دل کا زخم ہرا تھا ہرا رہا
وہ جن کو خوف میں ہم لوگ چھوڑ آئے تھے
فساد میں وہ دوکانیں بھی جل گئی ہوں گی
خون چھلک اٹھے گا آنکھوں سے جو گھر چھوڑو گے
عام انسانوں کے بس کا نہیں ہجرت کرنا

انور جلال پوری نے اپنے اشعار میں مجاہدین آزادی اور موجودہ دور کے سیاست دانوں کا موازنہ کرکے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ آج کے سیاسی رہنما، مجاہدین آزادی کی طرح حق کی خاطر اپنی جان نہیں دیتے۔ بلکہ اپنے فائدے کے لیے سیاست کو مہرہ بنا کر معصوم لوگوں کی امیدوں کی بلی چڑھا کر اقتدار تک رسائی حاصل کرتے ہیں:

وہ بھی کیسے لوگ تھے جو حق کی خاطر مرمٹے
زندگی معصوم تھی فطرت میں عیاری نہ تھی
بتکدوں کی بھیڑ میں تنہا جو تھا مینار حق
وہ نشانی بھی تعصب کی شرارت کھا گئی
پیار کو صدیوں کے اک لمحے کی نفرت کھا گئی
اک عبادت گاہ یہ گندی سیاست کھا گئی
پہلے لوگوں میں محبت تھی ریاکاری نہ تھی
ہاتھ اور دل دونوں ملتے تھے اداکاری نہ تھی

انورجلال پوری ملک کے حکمراں طبقے پرنظر ڈالتے ہوئے بے زار ہوکر انھیں اپنے طنز کا نشانہ بناتے ہیں۔ وہ عام قاری کو باخبر کرنا چاہتے ہیں کہ حکمراں طبقہ اقتدار سے پہلے اپنے فائدے کے لیے عوام میں مذہب کے نام پر انتشار پیدا کرتا ہے، لیکن اقتدار میں آتے ہی عوام کے ساتھ ان کا رشتہ منقطع ہوجاتا ہے اور ان کے ظلم جبر کا دور شروع ہوتا ہے:

دنگا، فساد، خون کا بیوپار، رہزنی
بے کار شہریوں کا یہی کام کاج ہے
ہے خود غرض فرشتوں کی بھیڑ ان کے گرد
جمہوریت کا یہ بھی انوکھا رواج ہے
تم تو منصف تھے سراپا عدل کی تصویر تھے
کیا ہوا تم میں طرفداری کہاں سے آگئی
میں نے دو قومی سیاست کو بہت سمجھا ہے
یہ مجھے زہر کے تاجر کی طرح لگتی ہے

اگرچہ انورجلال پوری اپنے دور کے سیاسی حالات سے مایوس نظر آتے ہیں لیکن انھیں یہ بھی معلوم ہے کہ سیاسی اقتدار دھوپ چھاؤں کا کھیل ہے۔ انھیں یقین ہے کہ موسم بدلے گا اور صبح کی نئی کرن ماحول کو سازگار بنادے گی کیوں کہ وقت سب سے بڑا منصف ہے:

عدالت تو نہیں ہاں وقت دیتا ہے سزا سب کو
یہی ہے آج تک اس زندگی میں تجربہ میرا
ظلم کے ہاتھوں میں پتھر دیکھئے کب تک رہے

بالمقابل اپنا یہ سر دیکھئے کب تک رہے

مذہبی موضوعات:

انسان کا مذہب سے گہرا تعلق ہوتا ہے، خواہ عام انسان ہو، شاعر ہو، یا ادیب ہو کبھی مذہبی عقائد ونظریات کو فراموش نہیں کرسکتا۔ اگر انسان سے مذہب کی پابندیاں نہیں ہوتیں تو وہ ایک وحشی درندے کی طرح زندگی گزارتا ہے۔ لیکن مذہب ایک ایسا راستہ ہے جو انسان کو اچھا راستہ دکھاتا ہے اور زندگی جینے کے آداب سکھاتا ہے۔ انور جلال پوری کی مذہبی شاعری پر اگر نظر ڈالی جائے تو ان کے قلم سے نعتوں کے دو مجموعے، قرآن پاک کے تیسویں پارے کا منظوم ترجمہ اور خلفائے راشدین کی منظوم سیرت وجود میں آچکے ہیں۔ لیکن یہاں پر میرا موضوع صرف انور جلال پوری کی غزلیہ شاعری ہے اس لیے اس باب میں صرف ان کی غزلوں کے حوالے سے مذہبی موضوعات کو زیر بحث لایا جائے گا۔ حالاں کہ انور جلال پوری کی غزلوں میں مذہبی موضوعات کا تنوع نہیں ہے پھر بھی چند اشعار ایسے ہیں جن میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کی شان وشوکت کو بہت ہی دلکش انداز میں بیان کیا ہے۔ چند اشعار پیش خدمت ہیں:

تو مصور ہے میرا اور تیری تصویر ہوں میں
مجھ کو سر سبز بنا تیری ہی جاگیر ہوں میں

تو مصنف ہے ازل کا میں تری پہلی کتاب
لوح محفوظ پہ لکھی ہوئی تحریر ہوں میں

روشنی، نور، اجالا ہیں تیرے نام بہت
تو، تو سورج ہے مگر تیری ہی تنویر ہوں میں

مجھ کو آنا ہے تیرے دستِ کماں میں اک دن

تیرے ہاتھوں ہی سے چھوٹا ہوا اک تیر ہوں میں

زمیں، فلک، مہر و ماہ وانجم، یہ گل یہ غنچے کہاں سے آئے

کوئی جو پردے ہی میں نہیں ہے تو پھر یہ جلوے کہاں سے آئے

انور جلال پوری کے یہاں چند ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جن میں انھوں نے مذہبی رہنماؤں اور موجودہ سماج کو طنز کا نشانہ بنایا ہے جس میں رنگوں سے مذہب کی پہچان کی جاتی ہے۔آج کل مذہب کی آڑ میں بہت سارے لوگ نفرت کا زہر فضا میں گھول دیتے ہیں اور اپنی باتوں سے لوگوں کو ورغلاتے ہیں۔ لوگ تو اپنے خدا کے ساتھ بھی دھوکہ کرتے ہیں اور صرف اپنے فائدے کے لیے عبادت کرتے ہیں۔انور جلال پوری جب بھی مذہبی رنگ ڈھنگ اور ڈھونگ پرستی پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ بری طرح جھنجھلا اٹھتے ہیں:

بہروپیوں کا دیر و حرم میں ہجوم ہے

بے لوث اب خدا کی عبادت نہیں رہی

مذہبی ملبوس تو ہے باعث عزت مگر

کم سے کم اپنے خدا سے تو اداکاری نہ کر

انھیں کے گرد ہے جھوٹوں کا مجمع

جنھیں دعویٰ ہے وہ سچے بہت ہیں

انور جلال پوری نے اپنے اشعار کے ذریعے قاری کو باخبر کرانے کی کوشش کی ہے کہ آج کے دور میں راون نام کا کوئی بھی آدمی نہیں ملے گا۔ بلکہ راون، رام کے بھیس میں لوگوں کے بیچ میں رہ کر اپنا کام انجام دے رہا ہے۔یعنی مذہبی رہنما چہرے پر پارسائی کا مکھوٹا لگا کر مذہب کی آڑ میں معصوم لوگوں کا

استحصال کر رہے ہیں۔اس لیے انور جلال پوری ان لوگوں سے ہوشیار رہنے کی تلقین کرتے ہیں:

جو مذہب اوڑھ کر بازار نکلیں
ہمیشہ ان اداکاروں سے بچنا
فقیر بن کے ملیں گے اس عہد کے راون
میرے خیال کی ریکھا پار مت کرنا
اب نام نہیں کام کا قائل ہے زمانہ
اب نام کسی شخص کا راون نہ ملے گا
پہلے اک صورت میں کٹ جاتی تھی ساری زندگی
کوئی کیسا ہو کسی کے پاس دو چہرہ نہ تھا

دنیا کی بے ثباتی:

اردو شاعری کا ایک اور اہم موضوع ''دنیا کی بے ثباتی'' رہا ہے۔انور جلال پوری نے جتنی خوبصورتی کے ساتھ دوسرے موضوعات کو اپنی غزلوں میں پیش کیا ہے ٹھیک اسی طرح انھوں نے دنیا کی بے ثباتی کے تعلق سے بھی کچھ اشعار کہے ہیں۔انور جلال پوری اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ یہ دنیا فانی ہے جسے ایک دن فنا ہونا ہے۔جس طرح انسان کو ریگستان میں پانی کا دھوکہ ہوتا ہے بالکل اسی طرح انسان دنیا کی معمولی خوشی دیکھ کر بھول جاتا ہے کہ یہ دنیا ایک دن ختم ہونے والی ہے۔اسے لگتا ہے کہ شاید یہ خوشیاں ہمیشہ رہنے والی ہیں۔لیکن جس طرح ہر شام کے بعد صبح ہوتی ہے۔ٹھیک اسی طرح ہر صبح کے بعد شام بھی ہوتی ہے اور یہ دستور صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔

انور جلال پوری اپنے اشعار کے ذریعے قاری کو غور و فکر کی دعوت دینا چاہتے ہیں۔انھیں اس

بات کا علم تھا کہ دنیا میں انسان کے پاس جو دھن، دولت اور عیش وعشرت ہے یہ سب کچھ یہیں چھوڑنا ہے۔ دنیا کی آرزو میں انسان اپنے ایمان کو خراب کرتا ہے۔ اس کی عقل پر غفلت طاری ہوتی ہے اور وہ اندھا ہوجاتا ہے۔ اس کی صرف اپنے مال و دولت پر نظر رہتی ہے جس کی وجہ سے وہ مغرور ہوجاتا ہے اور ہمیشہ اپنی انا میں رہتا ہے۔ انور جلال پوری نے قاری کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ یہ دنیا دھوکہ ہے۔ دنیا میں کتنے ہی شاہ اور بہادر لوگ تھے لیکن آج وہ بھی زیرزمین ہیں تو پھر یہ گھمنڈ اور غرور کس بات کا؟ اسی تناظر میں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

کوئی پوچھے گا جس دن واقعی یہ زندگی کیاہے
زمیں سے ایک مٹھی خاک لے کر ہم اڑادیں گے

کل جو اڑتے تھے فلک پر آج ہیں زیر زمیں
سازِ ہستی جلد اتنی بے صدا کیسے ہوا

اس کو بھی آکے موت نے مجبور کر دیا
تھی جس کی ساری عمر بڑی آن بان کی

انور جنھیں غرور تھا اپنے عروج پر
وہ بھی شکارِ گردش ایام ہوگئے

وہ بادشاہ بھی سانسوں کی جنگ ہار گئے
جو اپنے گِرد ہمیشہ سپاہ رکھتے تھے

ہر کوئی منظر یہاں اک عارضی تصویر ہے
خواب کوئی اپنی آنکھوں میں سجائیں کس لیے

زندگی کی کوئی صورت مستقل نہیں، ہر شئے کو مقررّہ وقت پر اپنے مرکز سے الگ ہونا ہے۔ دنیا میں بہت سارے لوگ آئے اور سب اپنے اپنے مقررّہ وقت پر واپس چلے گئے۔ انسان ایک ایسا پتلا ہے ۔جسے یہ خبر نہیں کہ اس دارِ فانی میں اسے کب تک رہنا ہے۔ انور جلال پوری نے اس فلسفے کو بہت ہی خوبصورت تشبیہات اور استعارات کے ذریعے بیان کیا ہے۔

لوہے کا جگر جس کا تھا فولاد کا بازو
تھک ہار کے اس نے بھی کفن اوڑھ لیا ہے

زندگی پت جھڑ کا اک پتہ ہے جس کو دوستو
بس ہوا کا ایک ہی جھونکا اڑا لے جائے گا

خزاں گر آئی تو پہلے اسی کو چن لے گی
وہ جو شاخ شجر پر ہری زیادہ ہے

سارے جیون کی اب اس سے بہتر ہوگی کیا تشبیہ
بھور کی کونپل، صبح کے میوے، دھوپ کی شاخیں، شام کا پیڑ

اگر چہ انور جلال پوری نے بیشتر اشعار میں دنیا کی بے ثباتی کی باتیں کی ہیں لیکن وہ موت کے بعد اصل زندگی کو بھی تسلیم کرتے ہیں:

یہاں مرنے کا مطلب صرف پیراہن بدلنا ہے
یہاں اس پار جو ڈوبے وہی اس پار زندہ ہے

امید:

اُمید پر دنیا قائم ہے۔ زمانے کے ہاتھوں انسان مجبور و پریشان یا دکھ درد سے لبریز کیوں نہ ہو

پھر بھی اسے امید نہیں چھوڑنی چاہیے۔ امید ہی ایک ایسا سہارا ہے جس کے بھروسے انسان سخت مصیبت کی گھڑی میں بھی زندگی جیتا ہے۔ انور جلال پوری کی غزلوں میں بھی امید کے پرتو نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری میں ناامیدی کا دامن نہیں پکڑا بلکہ امید سے انسان کے حوصلے بلند کیے۔ انور جلال پوری دنیا کے ناخوشگوار حالات، بدامنی، بے اعتدالی، نابرابری، ظلم وستم کے آگے سرنہیں جھکاتے تھے بلکہ انھیں یقین تھا کہ ناموزوں حالات ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب ماحول پرسکون بنے گا۔ چہروں پر مسرت کے پھول کھلیں گے مگر ان خوشگوار موسموں کو آنے میں ابھی وقت لگے گا:

غم بلا سہی لیکن غم بھی عارضی شے ہے
آسمان پر بادل دیر تک نہیں رہتے

یہ سچ ہے اندھیرے کو مٹادے گا وہ لیکن
سورج کو نکلنے میں ذرا دیر لگے گی

ابھی آنکھوں کی شمعیں جل رہی ہیں پیار زندہ ہے
ابھی مایوس مت ہونا، ابھی بیمار زندہ ہے

یہ دنیا خشک و تر کا نام ہے سنتے ہیں بچپن سے
سمندر اب ضرور آئے گا صحرا ختم ہوتا ہے

یہ وصل نہیں ہجر کے لمحات کی شب ہے
اس رات کو ڈھلنے میں ذرا دیر لگے گی

ان تمام اشعار میں انور جلال پوری نے امید کا بندھن باندھا ہے۔ اگر آج غم ہے تو کل خوشی نصیب ہوگی مگر یہ سارا بھروسہ امید کے سہارے بڑھتا ہے۔ جس کو انور جلال پوری نے اپنے تخیل اور

تجربات سے اشعار میں پیش کیا ہے۔ اس طرح انور جلال پوری نے مندرجہ بالا اشعار میں امید کو معنی خیزی سے برتا ہے اور نا امیدی سے دور رہنے کی تلقین کی ہے جو کہ انور جلال پوری کی غزلوں کا ایک خاص پہلو ہے۔

سماجی موضوعات/ مسائل:

شاعر یا تخلیق کار کا سماج اور قاری کے ساتھ گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ انسان سماجی حیوان ہے اور سماج کے حالات و واقعات کا اثر اس پر پڑتا ہے۔ چاہے وہ اثرات مثبت ہوں یا منفی۔ شاعر یا ادیب بھی اسی سماج کا حصہ ہوتا ہے لیکن وہ عام لوگوں سے زیادہ حساس اور سنجیدہ ہوتا ہے۔ شاعر جو چیزیں اپنے تخیل اور ادراک کی وجہ سے دیکھ سکتا ہے وہ چیزیں عام قاری کے لیے محسوس کرنا بھی دور کی بات ہے۔ انور جلال پوری نے اپنے اردگرد اور سماج و معاشرے میں ہونے والے واقعات و حادثات کو جس طرح محسوس کیا اور دیکھا اسی طرح اپنے ان تجربات و احساسات کو اپنی شاعری میں پیش کیا۔ انور جلال پوری کے یہاں سماجی بکھراؤ، قدروں کی پامالی، رشتوں کی ناقدری، مطالب پرستی وغیرہ جیسے سماجی موضوعات ملتے ہیں۔

انور جلال پوری کو اپنے سماج سے غیر معمولی لگاؤ تھا۔ ان کی سماج کے حالات و واقعات پر گہری نظر تھی جو ہر وقت انھیں پریشان اور مایوس کرتی تھی۔ انور جلال پوری نے اپنی شاعری میں موجودہ دور کے سب سے بڑے سماجی مسئلے بلکہ سماجی بدعت کی نشاندہی کی ہے اور یہ بدعت رشوت خوری ہے جس نے ہمارے سماج کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر رکھا ہے۔ آج کل ہر انسان بلندی اور اچھے مقام پر پہنچنا چاہتا ہے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ اس کے لیے وہ ہر طرح کی کوشش کرتا ہے۔ کہیں رشوت دیتا ہے اور اعلیٰ عہدہ اپنے نام کرتا ہے، کہیں رشوت لیتا ہے اور راتوں رات اپنا نام شہر کے امرا کی فہرست میں شامل کرتا ہے۔ لیکن اس سب کے درمیان میں ایک قابل، محنتی اور غریب انسان چکی

میں گیہوں کے دانے کی طرح پس جاتا ہے۔اس ضمن میں چنداشعار ملاحظہ فرمائیں:

الٰہی ؟ کل شام تک جنھیں لوگ تنگ دستوں میں گن رہے تھے
انھیں کے ہاتھوں میں صبح ہوتے ہی اتنے پیسے کہاں سے آئے
کل تلک کشکول جن کے ہاتھ کی پہچان تھی
آج ان لوگوں میں زرداری کہاں سے آگئی
بس یہ ہوا کہ وقت نے تیور بدل دیے
سونے حویلیوں کے دروبام ہوگئے

انور جلال پوری کو نظامت کے سلسلے میں ہندستان کے مختلف چھوٹے بڑے شہروں میں جانے کا موقع ملا۔اس طرح انھیں گاؤں کی زندگی کے ساتھ ساتھ شہر کی زندگی کو بھی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔دونوں جگہ رونما ہونے والے واقعات ان کی شاعری کا حصہ بنے ہیں۔انور جلال پوری کو اس بات کا احساس ہوگیا تھا کہ شہراور گاؤں کی زندگی کبھی ایک نہیں ہوسکتی۔گاؤں میں ہر طرف سادگی،خلوص،محبت، خودداری،ایثار وقربانی اور یگانگت جیسی اقدار دیکھنے کوملتی ہیں۔لیکن شہر میں ان اقدار کی جگہ مغربیت، فیشن پرستی،تاجرانہ ذہنیت، بے راہ روی اور تیز رفتاریوں نے لے لی ہے۔انور جلال پوری کو بے حد افسوس تھا کہ شہری لوگ اس بات سے بالکل بے خبر ہوگئے ہیں کہ گھر کس کو کہتے ہیں؟ آنگن کس چیز کا نام ہے؟ ہمسایہ کس کو کہتے ہیں؟ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شامل ہونا کیا ہوتا ہے؟ بس چہار دیواری میں مشینوں کے ساتھ اپنا وقت گزارتے ہیں۔سماج سے ان کا کوئی رابطہ نہیں ہوتا ہے۔انور جلال پوری موجودہ سماجی بکھراؤ اور تہذیبی قدروں کی پامالی سے مایوس نظر آتے ہیں۔انھیں اس بات کا احساس تھا کہ انسان صارفیت کے دور میں خود کو بہت آگے تک لے گیا ہے لیکن بہت کچھ کھو بھی چکا ہے۔اس ضمن میں

چنداشعار ملاحظہ فرمائیں:

گاؤں چھوڑا شہر پہنچے بھول بیٹھے بولیاں
اب بڑے شہروں میں لوگوں کی زباں کوئی نہیں
شہروں کے شور و غل نے یہ سمجھا دیا ہمیں
کتنا سکون گاؤں کے کچے گھروں میں تھا
اب قید میں خوش رہنے کے عادی ہیں بڑے لوگ
اب اونچے مکانات میں آنگن نہ ملے گا
اب تو پہلی سی وہ تہذیب کی قدریں نہ رہیں
اب کسی سے کوئی مرغوب نہیں ہوتا
کچھ ایسا کٹ گیا رشتہ کھلی فضاؤں سے
اسیر کنج قفس کو مکان کہنے لگے
مجھے غم نہیں کہ میں لٹ گیا فقط اعتبار پہ شہر میں
میں ہر شخص پہ شک کروں میرے گاؤں کا یہ چلن نہیں

انور جلال پوری نے اپنے اشعار کے ذریعے اس حقیقت سے بھی پردہ اٹھایا ہے کہ انسان آج مفاد پرست بن گیا ہے۔ ہر چیز میں اپنا فائدہ دیکھتا ہے۔ حسد، کینہ، رشک، بغض اور جلن اب اس کی فطرت بن گئی ہے۔ بھائی چارہ، ایک دوسرے کے دکھ درد میں کام آنا، انسانیت اور مشترکہ تہذیب وغیرہ سے اب وہ کافی دور آ چکا ہے۔ انور جلال پوری کو رشتوں کی پامالی اور خاندان کا شیرازہ بکھر جانے کا بے حد رنج و ملال تھا۔ چنداشعار ملاحظہ فرمائیں:

حمایت اور ہمدردی تو خوشحالی کے جلوے ہیں
مصیبت کی گھڑی میں سب سہارے ٹوٹ جاتے ہیں
بالغ ہوئے تو کنبوں میں تقسیم ہوگیا
بچپن میں جو بھی پیار سگے بھائیوں میں تھا
روح کی پاکیزگی دل کا سکوں اس دور میں
چھین کر ہر اک سے ذہن تاجرانہ لے گیا
میرے اپنے بھی برے وقت میں کترائیں گے
میں نے اس بات کو پہلے کبھی سوچا ہی نہیں
چاروں طرف فساد ہر اک گھر میں اختلاف
شاید یہ سارا عہد بغاوت پسند ہے

انور جلال پوری نے کسانوں کے مسائل کو بھی اُجاگر کیا ہے جو اپنی محنت ومشقت کا ثمرہ ہمیشہ مقدر کے حوالے کر دیتے ہیں۔ قدرتی عذاب سے سب سے زیادہ متاثر کسان ہی ہوتے ہیں۔ کبھی اس کی فصل سیلاب وسوکھے کی نذر ہو جاتی ہے، کبھی اولے کی۔ انور جلال پوری نے کسانوں کے مسائل، ان کی بے بسی اور لاچاری کی منظر کشی یوں کی ہے:

سیلاب آیا ڈوب گئی فصل دھان کی
پانی کے ساتھ بہہ گئی قسمت کسان کی
اس برس سیلاب کا پانی لٹیروں کی طرح
ساحلی کچے مکانوں کا خزانہ لے گیا

خشک سالی کا ہر اک منظر بھیانک تھا بہت
مسکراتی فصل کا ہر ایک دانہ لے گیا
میرے حالات پہ تم رشک تو کرتے ہو مگر
تم نے دیکھا ہی نہیں مرا محنت کرنا

انور جلال پوری نے سماجی مسائل کے ساتھ فرد کے انفرادی مسائل کو بھی اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔انھوں نے فرد کے سب سے بڑے کرب (تنہائی) کو دکھایا ہے۔جس کی وجہ سے وہ گھٹ گھٹ کر جی رہا ہے۔ ہر وقت اپنے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ سجائے رہتا ہے لیکن اندر ہی اندر وہ غم کے کرب کو جھیل رہا ہوتا ہے۔بھیڑ میں رہتے ہوئے بھی وہ تنہائی کی گھٹن سے جدوجہد کرتا رہتا ہے۔آج کا انسان رنج وغم اور تنہائی کا شکار ہے لیکن اس کے باوجود وہ بڑی ہمت اور حوصلے کے ساتھ اپنے غم کو چھپاتا پھر رہا ہے۔اس ضمن میں چنداشعار ملاحظہ فرمائیں:

سبھی لبوں پہ تبسم سجائے ہیں لیکن
جو شہر دل ہے وہاں تیرگی زیادہ ہے
بے یقینی کے عجب موڑ پہ انسان ہے کھڑا
بھیڑ میں رہ کے بھی تنہا کبھی ایسا تو نہ تھا
لوگ گھر کے باہر تو اپنا دکھ چھپاتے ہیں خوب مسکراتے ہیں
اور گھر کے آنگن میں ایک شکل بالغ ہے دوسری سیانی ہے
جب بھی تنہائی ملی ہم اپنے غم پر رولیے
محفلوں میں تو سدا ہنستے رہے گاتے رہے

مذکورہ بالا تمام اشعار سے انور جلال پوری کی گہری سماجی وابستگی، انسانی دردمندی اور رشتوں کی پاسداری کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے اطراف و جوانب رونما ہونے والے حالات و واقعات سے باخبر تھے۔

قومی یکجہتی:

دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں جو ہمیں اخوت اور انسانیت کا درس نہ دیتا ہو، خدا کے بندوں سے پیار کی تلقین نہ کرتا ہو۔ ہر مذہب ہمیں آپس میں مل جل کر رہنا سکھاتا ہے۔ انور جلال پوری کی شاعری اور فکر کا محور پیار، محبت، اخوت، ملنساری اور یکجہتی ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے ہندستان کی صدیوں پرانی گنگا جمنی تہذیب، اتحاد اور بھائی چارے کو فروغ دیا ہے۔ اس تناظر میں ایک غزل ملاحظہ فرمائیں:

ہم قومی ایکتا کے راہی ہم کیا جانیں جھگڑا بابا
اپنے دل میں سب کی الفت اپنا سب سے رشتہ بابا
پیار ہی اپنا دین دھرم ہے پیار خدا ہے پیار صنم ہے
دونوں ہی اللہ کے گھر ہیں مسجد ہو کہ شوالہ بابا
ہر انساں میں نور خدا ہے ساری کتابوں میں لکھا ہے
وید ہوں یا انجیل مقدس، ہو قرآن کہ گیتا بابا
مرجانے کے بعد تو سب کا ہوتا ہے انجام ایک سا
دونوں کے ہیں ایک معنی ارتھی ہو کہ جنازہ بابا
ہندو مسلم، سکھ، عیسائی، آپس میں سب بھائی بھائی

ہم جتنے بھارت واسی ہیں سب کا ہے یہ نعرہ بابا

اس پوری غزل میں انور جلال پوری نے قومی یکجہتی اور امن کا پیغام دیا ہے اس لیے اس غزل کو ہم غزلِ مسلسل کے زمرے میں بھی رکھ سکتے ہیں۔ انور جلال پوری تاعمر قومی یکجہتی کو بڑھاوا دیتے رہے۔ وہ ملک وقوم کے حالات و واقعات کو دیکھ کر مایوس نظر آتے ہیں۔ انھیں اندازہ ہو گیا تھا کہ ہمارے ملک میں روز بہ روز حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ معصوم لوگوں کا قتل سرعام ہو رہا ہے۔ انسانیت نام کی کوئی چیز اب باقی نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی شاعری میں فساد برپا کرنے والوں کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں اور شاعری میں میٹھی زبان کے سہارے لوگوں کو امن و آشتی سے زندگی گزارنے کی تلقین کرتے ہیں۔

ہر آدم آپس کا یہ جھگڑا میں بھی سوچوں تو بھی سوچ
کل کیا ہوگا شہر کا نقشہ میں بھی سوچوں تو بھی سوچ
پیار کی شبنم ہر آیت میں، پریم کا امرت ہر اشلوک
پھر کیوں انساں خون کا پیاسا میں بھی سوچوں تو بھی سوچ
ایک خدا کے سب بندے ہیں اک آدم کی سب اولاد
تیرا میرا خون کا رشتہ میں بھی سوچوں تو بھی سوچ
بس اسی انسانیت کو ایک کنبہ جان کر
دوسروں کے دکھ میں بھی آنسو بہانا چاہئے
کاش یہ سمجھیں گھر کو جلانے والے بھی
پیار کا بس اک دیپ جلانا کتنا مشکل ہے

انور جلال پوری یہ یقین رکھتے تھے کہ محبت کا پیغام دینے والے کی راہوں میں کبھی رکاوٹیں نہیں آسکتیں کیوں کہ محبت ہی ایک ایسی طاقت ہے جو نفرت کو دور کر سکتی ہے:

تم پیار کی سوغات لیے گھر سے تو نکلو
رستے ہیں تمھیں کوئی بھی دشمن نہ ملے گا

یاد ماضی:

ماضی کی یاد انور جلال پوری کی شاعری کا اہم پہلو ہے۔ انھیں ماضی سے بے حد محبت تھی۔ انور جلال پوری جب سماج پر نظر ڈالتے تھے تو انھیں ہر طرف نفرت، بغض، فتنہ، فساد دکھائی دیتا تھا جس کی وجہ سے وہ بے حد مایوس ہو جاتے تھے اور بار بار ماضی میں جانے کی کوشش کرتے تھے۔ انور جلال پوری کی شاعری ایک طرح سے ماضی، حال اور مستقبل کا حسین سنگم ہے۔ انور جلال پوری کو اپنے عہد کی بربریت اور ظلم سے ڈر لگتا تھا۔ اسی لیے وہ ماضی کو پر سکون زندگی سے تعبیر کرتے تھے لیکن انھیں ماضی کی روایت کے مٹنے کا غم تھا۔ اس ضمن میں چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:

بغض اور نفرت کی کس جانب سے آئی ہے وبا
اے خدا اس شہر میں پہلے یہ بیماری نہ تھی
پھرنے لگیں کہیں نہ روایات دربدر
جس کو بھی دیکھیے وہی جدت پسند ہے
اب تو پہلی سی وہ تہذیب کی قدریں نہ رہیں
اب کسی سے کوئی مرغوب نہیں ہوتا
دشمنی اور دوستی پہلے بھی ہوتی تھی مگر

اس قدر ماحول کا ماحول زہریلا نہ تھا

وہ جن لوگوں کا ماضی سے کوئی رشتہ نہیں ہوتا
انھیں کو اپنے مستقبل کا اندازہ نہیں ہوتا

انور جلال پوری کو اس بات کا بخوبی احساس ہے کہ ہم اپنے ماضی اور اپنے اسلاف کے عقیدوں سے بہت دور نکل چکے ہیں اور جو روایت ہمیں وراثت میں ملی تھی ہم اسے بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ اس لیے انھوں نے اپنے اسلاف کے کارناموں کو اشعار میں سمونے کی کوشش کی ہے تا کہ آج کا نوجوان ماضی سے اپنا رشتہ استوار رکھ سکے اور زندگی کو بھی انھی کے نقش قدم پر لائے۔ انور جلال پوری کو اپنے اسلاف سے بے حد عقیدت تھی۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

تمھیں یہ ضد ہے کہ شاعری میں تم اپنے اسلاف سے بڑے ہو
اگر یہ سچ ہے تو پھر سنادو بس ایک ہی شعر میرؔ جیسا

سر کٹانے کے تو آداب سے واقف تھے مگر
میرے اسلاف نے سیکھا نہیں بیعت کرنا

وہ بھی کیسے لوگ تھے جو حق کی خاطر مرمٹے
زندگی معصوم تھی فطرت میں عیاری نہ تھی

انور جلال پوری کی غزلوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری کو کسی ایک زاویے تک محدود نہیں رکھا بلکہ ان کے یہاں ہر قسم کے موضوعات نظر آتے ہیں۔ عشقیہ موضوعات کے علاوہ ماضی کی یاد، قومی یکجہتی کا جذبہ، قدروں کی پامالی کا احساس، دنیا کی بے ثباتی اور عصر حاضر کے بدلتے حالات کا درد و کرب وغیرہ ان کی غزلوں کے موضوعات میں شامل ہیں۔ وہ ان

موضوعات کے ذریعے سماج کو بدلنے کے خواہش مند نظر آتے ہیں۔یہی ان کی شاعری کا مقصد بھی ہے۔

اسلوب وتکنیک:

انور جلال پوری کے یہاں جہاں ایک طرف موضوعات کا تنوع نظر آتا ہے وہیں دوسری طرف ان کے یہاں اسلوب وتکنیک میں بھی جدت نظر آتی ہے۔انور جلال پوری کو زبان وبیان پر بھرپور قدرت حاصل تھی۔ان کا اسلوب صاف وشفاف اور واضح ہے۔انھوں نے اپنی شاعری کو دلکش بنانے کے لیے تشبیہات واستعارات اور صنعتوں کا مؤثر انداز میں استعمال کیا ہے۔ذیل میں انور جلال پوری کے اسلوب وتکنیک کا مطالعہ پیش ہے۔

استعارہ:

استعارہ کے لغوی معنی ''ادھار لینا یا مستعار لینا'' کے ہیں۔علم بیان کی اصطلاح میں جب کسی چیز یا لفظ کو اپنے حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی میں استعمال کیا جائے اور حقیقی ومجازی معنی کے درمیان تشبیہ کا تعلق ہو تو وہ استعارہ کہلاتا ہے۔دوسرے معنی میں جب دو چیزوں میں مشترکہ صفات پائے جائیں اور ان مشترکہ صفات کی بنا پر ایک چیز کو براہِ راست دوسری چیز کہا جائے تو وہ استعارہ کہلاتا ہے۔اس میں حرف تشبیہ کا استعمال نہیں ہوتا ہے۔

ارکان استعارہ:

(۱) **مستعارلہ:** جس چیز کے لیے کوئی صفت ادھار لی جائے۔

(۲) **مستعارمنہ:** وہ چیز یا شخص جس سے کوئی صفت مستعار لی جائے۔

(۳) **وجہ جامع:** مستعارلہ اور مستعارمنہ میں جو صفت مشترک ہو اسے وجہ جامع کہتے ہیں۔

انور جلال پوری نے اپنی شاعری میں بہت ہی خوبصورت استعارات کا استعمال کیا ہے:

میرے بالوں میں جب سے آگئے کچھ تار چاندی کے
مجھے بیٹی پرائے گھر کا دھن معلوم ہوتی ہے
زندگی پت جھڑ کا اک پتہ ہے جس کو دوستو
بس ہوا کا ایک ہی جھونکا اڑا لے جائے گا
دیکھیے لان کو ٹھکرا بھی گئی اڑ بھی گئی
میں نہ کہتا تھا تتلی کا بھروسہ کیا ہے

تشبیہ:

تشبیہ کے لغوی معنی ''مشابہت دینا'' ہیں۔شعری اصطلاح میں تشبیہ سے مراد کسی ایک چیز کو مشترک صفت کی بنا پر دوسری چیز کی مانند ٹھہرانا ہے۔

ارکان تشبیہ یا اجزا:

(۱) مشبہ: جس چیز کو تشبیہ دی جائے۔

(۲) مشبہ بہ: جس چیز سے تشبیہ دی جائے (مشبہ اور مشبہ بہ کو طرفین تشبیہ کہتے ہیں)

(۳) وجہ تشبیہ: وہ صفت جو مشبہ اور مشبہ بہ میں مشترک ہو۔

(۴) غرض تشبیہ: وہ مقصد یا غرض جس کے لیے تشبیہ دی جائے۔

(۵) حرف تشبیہ: وہ حروف جو تشبیہ دینے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

پیار سچا ہو تو ہوتا ہے سمندر جیسا
ڈوبنے والا کبھی جس میں ابھرتا ہی نہیں

کسی کا بھی ہو دل اے دوست شیشے جیسا ہوتا ہے
مگر پتھر پہ گرنے سے یہ شیشے ٹوٹ جاتے ہیں

اس برس سیلاب کا پانی لٹیروں کی طرح
ساحلی کچے مکانوں کا خزانہ لے گیا

تلمیح:

تلمیح کا لغوی معنی ہے ''اشارہ کرنا''۔ کسی تاریخی یا نیم تاریخی واقعے کی طرف اس طرح اشارہ کرنا کہ پورا واقعہ ذہن میں آجائے، ''تلمیح'' کہلاتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

تہمتیں آئیں گی نادر شاہ پر
آپ دلّی روز ہی لوٹا کریں

میں انساں ہوں، مرا رشتہ ابراہیم اور آزر سے
کبھی مندر کلیسا اور کبھی کعبہ بناتا ہوں

صلیب و ہجرت و بن باس سب میرے ہی قصے ہیں
میرے خوابوں میں اب بھی آتشیں گلزار زندہ ہے

صنعت تعلّی:

شاعر جب کلام میں اپنی بڑائی، فن کاری یا زبان و بیان پر قدرت اور اپنی عظمت کا اعتراف کرے تو وہ صنعت تعلّی کہلاتی ہے۔ انور جلال پوری کے یہاں اس طرح کے کچھ اشعار ملتے ہیں:

مایوس لوگو پڑھنا ذرا غور سے مجھے
ہر شعر میں اک عزم جواں چھوڑ جاؤں گا

میں ہر بے جان حرف و لفظ کو گویا بناتا ہوں
کہ اپنے فن سے پتھر کو بھی آئینہ بناتا ہوں
میں ایک شاعر ہوں میرا رتبہ نہیں کسی بھی وزیر جیسا
مگر مرے فکر و فن کا پھیلاؤ تو ہے بر صغیر جیسا

تکرار:

ہم معنی الفاظ کو شعر یا مصرعے میں برابر جمع کرنا تکرار لفظی کہلاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں جب کسی شعر یا مصرعے میں لفظ مکرر لائے جائیں تو اسے ہم تکرار لفظی کہتے ہیں۔ اس صنعت سے شعر میں دلکشی پیدا ہوتی ہے۔ اس ضمن میں انور جلال پوری کے چند اشعار دیکھیے:

سوچ رہا ہوں گھر آنگن میں ایک لگاوں آم کا پیڑ
کھٹا کھٹا ، میٹھا میٹھا یعنی تیرے نام کا پیڑ
کتنی اچھی صورت والے اپنے چہرے بھول گئے
کھاتے کھاتے ، کھاتے کھاتے برسوں تک صدمات کی آنچ
دل ٹوٹا آنگن آنگن دیواریں اٹھ سکتی ہیں
اس رُخ سے بھی جان تمنا میں بھی سوچوں تو بھی سوچ

تضاد/ طباق:

کلام میں ایسے الفاظ لائے جائیں جو معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہوں تو اسے ہم صنعت تضاد کہتے ہیں۔ انور جلال پوری نے اپنی غزلوں میں اس صنعت کا استعمال جابجا کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

پرایا کون ہے اور کون اپنا سب بھلا دیں گے
متاع زندگانی ایک دن ہم بھی لٹا دیں گے
خود غرض زمانے میں کیا بلندی و پستی کیسی موج اور مستی
سب کا ایک افسانہ سب کا ایک ہی قصہ سب کی اک کہانی ہے
میں سہل راستوں کا مسافر نہ بن سکا
میرا سفر وہی جو دشوار کچھ تو ہو

طباق سلبی:

جب شاعر کلام میں ایسے دو متضاد الفاظ کا استعمال کرتا ہے جو ایک ہی مصدر سے مشتق ہوں اور ان دونوں لفظوں کا تضاد حرف نفی سے ہوتا ہے تو ہم اسے ''طباق سلبی'' کہتے ہیں: مثال کے طور پر ذیل کے اشعار ملاحظہ فرمائیں:

کچھ دنوں سے اک عجب معمول ان آنکھوں کا ہے
کوئی آئے یا نہ آئے پھر بھی رستہ دیکھنا
وہ بھی کیا طاقت تھی نا ممکن کو ممکن کردیا
نیل کے سینے پہ دیکھو راستہ کیسے ہوا
پہلے صحراؤں میں پانی کو ترستا تھا بشر
لب دریا کوئی پیاسا کبھی ایسا تو نہ تھا

تضمن المزدوج:

جب شاعر شعر میں قافیہ کے علاوہ کچھ اور ہم قافیہ الفاظ کا استعمال کرتا ہے تو اسے صنعت

''تضمن المزدوج'' کہتے ہیں۔اس صنعت کو بھی انور جلال پوری نے اپنے کچھ اشعار میں برتا ہے۔مثلاً یہ اشعار دیکھتے چلیں:

کون کہہ سکتا تھا یہ بھی سانحہ ہوجائے گا
شہر کا خوش پوش انساں بے قبا ہوجائے گا

سنتا ہوں ذوق و شوق سے رودادِ کربلا
شاید مرا مزاج شہادت پسند ہے

یہ ٹوٹی پھوٹی سی تقدیر جو ہے میری ہے
یہ میرے پاؤں میں زنجیر جو ہے میری ہے

ذوقافیتین:

شعر میں دو یا دو سے زیادہ قافیے لانا صنعت ''ذوقافیتین'' کہلاتی ہے۔اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

میری بستی کے لوگو! اب نہ روکو راستہ میرا
میں سب کچھ چھوڑ کر جاتا ہوں دیکھو حوصلہ میرا

بُرے وقتوں میں تم مجھ سے نہ کوئی رابطہ رکھنا
میں گھر کو چھوڑنے والا ہوں اپنا جی کڑا رکھنا

کوئی موسم ہو کوئی بھی سماں اچھا نہیں لگتا
تمہارے بعد اپنا ہی مکاں اچھا نہیں لگتا

قطارالبعیر:

جب شعر میں پہلے مصرعے کا آخری لفظ اور دوسرے مصرعے کا پہلا لفظ ایک ہو تو اسے ہم صنعت ''قطارالبعیر'' کہتے ہیں۔انور جلال پوری کی شاعری میں یہ صنعت بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔مثلاً

رات بھر ان بند آنکھوں سے بھی کیا کیا دیکھنا
دیکھنا اک خواب اور وہ بھی ادھورا دیکھنا

مجھے غم نہیں کہ میں لٹ گیافقط اعتبار پہ شہر میں
میں ہر ایک شخص پہ شک کروں میرے گاؤں کا یہ چلن نہیں

مقلوب مستوی:

مقلوب مستوی سے مراد ایسے الفاظ یا فقرے،مصرعے یا شعر جن کے تمام حروف الٹ جانے کے بعد پھر سے وہی الفاظ یا فقرے مصرعے یا شعر حاصل ہوں۔انور جلال پوری نے بھی اپنے کچھ اشعار میں ایسے الفاظ کا استعمال کیا ہے جن کے تمام حروف الٹ دینے کے بعد وہی الفاظ حاصل ہوتے ہیں:

جو اپنی خوش لباسی پر ہیں نازاں
حقیقت میں وہی ننگے بہت ہیں

تخت نشینو آخر اس دن کون تمہارا ساتھی ہوگا
جس دن بھوکا ننگا مجمع سڑکوں پرآجائے گا

آنچ آئے اَنا پہ اس سے قبل
سوچتے ہیں کہ ہم بھی مر جاتے

صنعت تحتانیہ:

صنعت تحتانیہ سے مراد وہ شعر یا مصرعے ہیں جن کے تمام نقطے دار حروف کے نقطے نیچے آئے

ہوں۔ انور جلال پوری کے یہاں ایسے کئی اشعار ملتے ہیں جن میں انھوں نے اس صنعت کا استعمال کیا ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل اشعار کو دیکھتے چلیں:

کرتے ہو میرے قتل کی سازش مگر سنو
روؤ گے عمر بھر وہ بیاں چھوڑ جاؤں گا
بیٹھے ہوئے ہیں ڈھیر پہ بارود کے مگر
پر امن زندگی کی دعا چاہتے ہیں لوگ
اللہ ! کہاں جاکے میری پیاس بجھے گی
راہوں میں کہیں کوئی سمندر بھی نہیں ہے

تشابہ الاطراف:

''تشابہ الاطراف'' سے مراد شعر کا خاتمہ ایسے الفاظ پر کرنا جو شعر کے ابتدائی الفاظ سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

یہ دنیا خشک و تر کا نام ہے سنتے ہیں بچپن سے
سمندر اب ضرور آئے گا صحرا ختم ہوتا ہے
چمک نے جس کی بہکایا تھا مجھ کو
وہ کچھ بھی ہو مگر سونا نہیں تھا
وہیں پہ صبح پتنگوں کی لاش پاؤ گے
اسی گلی میں جہاں روشنی زیادہ ہے

فوق النقاط:

شعر یا مصرعے میں حروف منقوطہ ایسے ہوں جن میں نقطے اوپر آتے ہوں صنعت ''فوق النقاط'' کہلاتی ہے۔ مثلاً یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

پہلے لوگوں میں محبت تھی ریاکاری نہ تھی
ہاتھ اور دل دونوں ملتے تھے اداکاری نہ تھی
غم کا افسانہ سناتے ہوئے ڈر لگتا ہے
رازِ دل سب کو بتاتے ہوئے ڈر لگتا ہے
یہ کس نے چھین لیں ساری بصیرتیں ہم سے
کہ خشک گھاس کو ہم زعفران کہنے لگے

تفریق:

جب شاعر شعر میں ایک ہی نوعیت کی دو چیزوں میں فرق بیان کرتا ہے تو وہ صنعت ''تفریق'' کہلاتی ہے۔ مثال کے لیے درج ذیل شعر کو دیکھیں:

اک جوگی نے بچپن اور بڑھاپے کو ایسے سمجھا
وہ تھا مرے آغاز کا پودہ یہ ہے مرے انجام کا پیڑ

حسن تعلیل:

تعلیل کے معنی ہیں ''وجہ متعین کرنا'' یا ''وجہ بیان کرنا''۔ شعری اصطلاح میں حسن تعلیل سے مراد یہ ہے کہ جب کسی بات یا چیز کی کوئی ایسی شاعرانہ وجہ بتائی جائے جو حقیقت میں اس کی اصل وجہ نہ ہو۔ مثال کے طور پر یہ شعر ملاحظہ فرمائیں:

وہ تو پل بھر میں نظروں سے اوجھل ہوا

اور چمکتا رہا راستہ دیر تک

ضرب المثل:

ضرب المثل سے مراد کہاوت کو لفظی تغیر کے ساتھ شعر میں استعمال کرنا۔اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

حادثے ان کے قریب آ کر پلٹ جاتے رہے
اپنی چادر دیکھ کر جو پاؤں پھیلاتے ہیں
چمک نے جس کی بہکایا تھا مجھ کو
وہ کچھ بھی ہو مگر سونا نہیں تھا
سچائیوں کی جیت یقینی تھی دوستو!
بازی مگر لگانی پڑی اس میں جان کی

توسیم:

توسیم کے لغوی معنی ''نشان کرنا'' کے ہیں۔علم بیان کی اصطلاح میں قافیے میں ممدوح کا نام لانے کو''توسیم'' کہتے ہیں۔مثال کے طور پر یہ شعر ملاحظہ کریں:

تمہیں یہ ضد ہے کہ شاعری میں تم اپنے اسلاف سے بڑے ہو
اگر یہ سچ ہے تو پھر سنادو بس ایک ہی شعر میؔر جیسا

صنعت تعجب:

جب شاعر شعر میں کسی بات پر تعجب کرتا ہے تو اسے''صنعت تعجب'' کہتے ہیں۔اس کا مقصد کسی کی تعریف میں مبالغہ کرنا ہوتا ہے۔انور جلال پوری کہتے ہیں:

ہزاروں زخم کھا کر بھی میں ظالم کے مقابل ہوں
خدا کا شکر ہے اب تک دلِ خوددار زندہ ہے

اس شعر کے پہلے مصرعے میں انور جلال پوری نے ہزار زخم کھانے کے باوجود ظالم کے مقابل ہونے پر تعجب کا اظہار کیا ہے لیکن دوسرے مصرعے میں اپنی خودداری پر مبالغہ کیا ہے۔اسی طرح کے کچھ اور اشعار دیکھیں:

کتنا عجیب اپنا مقدر بنالیا
صحرا میں آج ہم نے بھی اک گھر بنالیا

وہ تو زہر اب بھی پی لیتاہے امرت کی طرح
اپنے انور کو ابھی آپ نے سمجھا ہی نہیں ہے

مراعات النظیر :

مراعات النظیر سے مراد یہ ہے کہ شعر میں ایسے الفاظ جمع کیے جائیں جو آپس میں مناسبت رکھتے ہوں مگر یہ نسبت تضاد اور تقابل کی نہ ہو۔مراعات النظیر کو تناسب،توفیق اور تلفیق بھی کہتے ہیں:

سارے جیون کی اب اس سے بہتر ہوگی کیا تشبیہ
بھور کی کونپل،صبح کے میوے،دھوپ کی شاخیں،شام کا پیڑ

ہمیں گلشن کے پھولوں نے ہی اتنے زخم بخشے ہیں
کہ ہم کو اب تو ذکر گلستاں اچھا نہیں لگتا

آنگن میں پھول کیسے کھلاؤگے دوستو
بارش خدائے پاک کی رحمت چلی گئی

توجیہ یا محتمل الضدین:

شعر میں ایسے الفاظ یا فقرے لانا جن سے دو متضاد معنی نکلتے ہوں لیکن کسی ایک معنی کو دوسرے پر ترجیح نہ دی جائے ''توجیہ یا محتمل الضدین'' کہلاتی ہے۔ مثال کے لیے یہ شعر دیکھیں:

وقت جب بگڑا تو اتنا فائدہ بے شک ہوا
کچھ پرانے دوستوں کی شکل پہچانی گئی

پہلا مفہوم یہ ہے کہ وقت بگڑ جانے پر کچھ دوست ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ وقت بگڑ جانے کے بعد کچھ دوستوں نے قدم سے قدم ملا کر اس مصیبت کی گھڑی میں ساتھ دیا۔ پہلی صورت میں غیروں اور دوسری صورت میں اپنوں کی پہچان ہوئی۔ ان میں سے کسی بھی مفہوم کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی ہے۔

مزاوجہ:

مزاوجہ سے مراد یہ ہے کہ کلام یا شعر میں دو معنی شرط و جزا کے طور پر اس طرح لانا کہ جو امر پہلے معنی پر منطبق ہو وہی دوسرے پر بھی ہو۔ انور جلال پوری کے یہاں بھی اس طرح کے کچھ اشعار ملتے ہیں:

ہوا ہو تیز تو شاخوں سے پتے ٹوٹ جاتے ہیں
ذرا سی دیر میں برسوں کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں

''تیز'' اور ''دیر'' دو معنی ہیں۔ ان دونوں پر کسی شے کا ٹوٹ جانا مرتب ہوا ہے۔ یعنی اول پر پتے کا ٹوٹ جانا اور دوم پر رشتے کا ٹوٹ جانا۔

چاندنی میں رات بھر سارا جہاں اچھا لگا
دھوپ جب پھیلی تو اپنا ہی مکاں اچھا لگا

''چاندنی'' اور ''دھوپ'' دو معنی ہیں۔ دونوں پر کسی چیز کا اچھا لگنا مرتب ہوا ہے۔ مصرعہ اول میں جہاں کا اچھا لگنا اور مصرعہ دوم میں ''مکاں'' کا اچھا لگنا۔

ہجو ملیح:

ہجو ملیح سے مراد کسی شخص یا شے کی ہجو اس طرح کرنا کہ بظاہر کوئی ہجو معلوم نہ ہو۔ یہ صنعت محتمل الضدین کے قبیل سے ہے۔ انور جلال پوری نے اس صنعت کا استعمال بہت ہی دلکش انداز میں کیا ہے:

وہ جس کو پڑھتا نہیں کوئی بولتے سب ہیں
جناب میؔر بھی کیسی زبان چھوڑ گئے

اس شعر میں انور جلال پوری نے بظاہر یہ دکھایا ہے کہ اردو زبان رابطے کی زبان ہے۔ جسے ہر کوئی بولتا ہے، چاہے وہ دوسری زبانوں سے کیوں نہ واسطہ رکھتا ہو۔ دوسری طرف انور جلال پوری نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اردو زبان آج اس موڑ پر پہنچ گئی ہے جہاں اس کے پڑھنے والے بہت کم ملتے ہیں۔ لہٰذا شعر کے ظاہری معنی سے مدح ہوتی ہے لیکن درحقیقت یہ ہجو ہے:

نشیلی گولیوں نے لاج رکھ لی نوجوانوں کی
کہ میخانے میں جاکر اب کوئی رسوا نہیں ہوتا

انور جلال پوری نے اس شعر میں بظاہر سائنس کی ترقی کو دکھایا ہے۔ لیکن دوسری طرف انھوں نے ان برائیوں کی طرف اشارہ کیا جو سماج میں پہلے بھی تھیں اور آج بھی موجود ہیں۔ لہٰذا اس شعر میں مدح اور ہجو دونوں پہلو ساتھ ساتھ ہیں۔

ترجمۃ اللفظ:

کلام میں ایک لفظ کے بعد دوسرا لفظ ایسا لانا جو پہلے لفظ کا ترجمہ ہو ''ترجمۃ اللفظ'' کہلاتا ہے۔

میں امین دولتِ عشق ہوں میرے پاس کوئی بھی دھن نہیں
میں زمیں پہ چاہے جہاں رہوں میرا اپنا کوئی وطن نہیں
روشنی ، نور، اُجالا ہیں ترے نام بہت
تو تو سورج ہے مگر تیری ہی تنویر ہوں میں

تجنیس مذیل:

جب شاعر شعر میں دو ہم جنس الفاظ کا استعمال کرتا ہے لیکن ان میں سے ایک لفظ کے آخر میں دو حروف زیادہ ہوں تو اسے ہم ''تجنیس مذیل'' کہتے ہیں۔اس ضمن میں انور جلال پوری کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

گاؤں چھوڑا شہر پہنچے بھول بیٹھے بولیاں
اب بڑے شہروں میں لوگوں کی زباں کوئی نہیں
ہر دم آپس کا یہ جھگڑا میں بھی سوچوں تو بھی سوچ
کل کیا ہوگا شہر کا نقشہ میں بھی سوچوں تو بھی سوچ

تجنیس ناقص وزائد:

کلام میں دو ہم جنس الفاظ میں صرف ایک حرف کی کمی یا بیشی ہونا ''تجنیس ناقص وزائد'' کہلاتی ہے۔انور جلال پوری نے اس صنعت کا استعمال اس طرح کیا ہے:

جو مجھ سے دشمنی کھل کر نبھائے
مجھے وہ آدمی اچھا لگے ہے
اس کا اور میرا اسی دن سامنا ہوجائے گا

زندگی کا ساز جس دن بے صدا ہوجائے گا
ابھی تو انگلیاں بس کاکل گیتی سے کھیلی ہیں
تری زلفوں سے کب کھیلیں ابھی یہ بات باقی ہے

تفریع:

شعر میں صدر کے آخری حرف اور عجز کے آخری حرف کا ایک ہونا صنعت ''تفریع'' کہلاتی ہے۔اس تناظر میں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

میں سفر سمجھتا ہوں زیست کو میری موت منزل اولیں
یہی ایک بات ہے دوستو میرے پاؤں میں جو تھکن نہیں
کچلی گئیں اس عہد میں کچھ یوں حقیقتیں
اب خواب دیکھنے کی بھی ہمت نہیں رہی
خفا تو دونوں ہی اک دوسرے سے تھے لیکن
ندامت اس کو بھی تھی شرمسار میں بھی تھا

اشتقاق:

شعر میں ایسے الفاظ لانا جو ایک ہی مادے سے مشتق ہوں صنعت ''اشتقاق'' کہلاتی ہے۔ پروفیسر وہاب اشرفی ''تفہیم البلاغت'' میں صنعت اشتقاق کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

''کلام میں ایک ہی اصل کے چند لفظ ایسے لانا کہ ان کے حروف میں ترتیب اور معنی میں موافقت پائی جائے۔'' ۳۲

انور جلال پوری کے یہاں بھی ایسے اشعار ملتے ہیں جن میں انھوں نے اس صنعت کا استعمال

کیا ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

حسن جب عشق سے منسوب نہیں ہوتا
کوئی طالب کوئی مطلوب نہیں ہوتا

تو مصور ہے میرا اور تیری تصویر ہوں میں
مجھ کو سر سبز بنا تیری ہی جاگیر ہوں میں

ہماری تاریخ کے سفر میں مسافر ایسا بھی اک ہوا ہے
جو کارواں کا تھا میر لیکن سفر میں تھا راہ گیر جیسا

ترصیع:

شعر کے دونوں مصرعوں میں ترتیب کے ساتھ ایسے الفاظ لائے جائیں جو ہم وزن ہوں تو وہ صنعت ''ترصیع'' کہلاتی ہے۔اس تناظر میں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

ہوا ہو تیز تو شاخوں سے پتے ٹوٹ جاتے ہیں
ذرا سی دیر میں برسوں کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں

ہاں چہرۂ تاریخ کا غازہ بھی ہمیں ہیں
اور صفحۂ تاریخ پہ رسوا بھی ہمیں ہیں

استدراک:

شعر کے پہلے مصرعے میں کچھ ایسے الفاظ لائے جائیں جن سے ہجو کا پہلو نکلے لیکن جب یہی ہجو دوسرے مصرعے میں آکر مدح میں بدل جائے تو وہ صنعت ''استدراک'' کہلاتی ہے۔مثال کے لیے یہ شعر دیکھیں:

ظرف والوں کی اتنی ہی پہچان ہے
بولنا کم سے کم سوچنا دیر تک

لف ونشر:

شعر کے پہلے مصرعے میں چند چیزوں کا ذکر کرنا پھر دوسرے مصرعے میں ان کی مناسبت کو بیان کرنا صنعت ''لف ونشر'' کہلاتی ہے۔ بہ طور مثال یہ شعر دیکھیں:

کچھ سوغاتیں گل کو بھیجوں کچھ تحفے تلوار کے نام
چندعریضے یار کو لکھوں چند ہی خط اغیار کے نام

ماضی، حال اور مستقبل کا التزام:

انور جلال پوری نے اس کا استعمال اپنی شاعری میں بہت ہی انوکھے انداز میں کیا ہے۔

ماضی وحال:

تو مجھے پاکے بھی ناخوش تھا یہ قسمت تیری
میں تجھے کھوکے بھی خوش ہوں یہ جگر ہے میرا

ماضی ومستقبل:

میرے قد سے اپنے قد کو وہ سمجھ لے گا بلند
سر پر بٹھلانے سے پہلے میں نے یہ سوچا نہ تھا

حال ومستقبل:

یہ وصل نہیں ہجر کے لمحات کی شب ہے
اس رات کو ڈھلنے میں ذرا دیر لگے گی

مستقبل وحال:

میری خواہش کا کوئی گھر خدا معلوم کب ہوگا
ابھی تو ذہن کے پردے پہ بس نقشہ بناتا ہوں

حال وماضی:

خواہشیں پوری ہوئیں تو اور تنہا ہوگئے
ہم سمجھتے تھے کہ اپنے دل کی ویرانی گئی

فارسی مرکب اضافی:

دو کلمات کے درمیان زیر سے اضافت پیدا کرنا ''مرکب اضافی'' کہلاتی ہے۔ یہ فارسی اضافت طرز ہے لیکن یہ اردو میں بھی رائج ہے۔ اس تناظر میں انور جلال پوری کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

غم کا افسانہ سناتے ہوئے ڈر لگتاہے
رازِ دل سب کو بتاتے ہوئے ڈر لگتا ہے

گلوں کے بیچ میں مانندِ خار میں بھی تھا
فقیر ہی تھا مگر شاندار میں بھی تھا

روح کی پاکیزگی دل کا سکوں اس دور میں
چھین کر ہر اک سے ذہنِ تاجرانہ لے گیا

دیگر زبانوں کے الفاظ کا استعمال:

اشعار کو خوش آہنگ اور آسان تر بنانے کے لیے انور جلال پوری نے دیگر زبانوں کے الفاظ کو

اپنے اشعار میں برتا ہے جن میں ہندی، انگریزی اور فارسی شامل ہیں۔ ہندی الفاظ کا استعمال انور جلال پوری نے کثرت سے کیا ہے۔ مثال کے لیے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

ہندی الفاظ:

سنگھرشوں کے بل پر ہم نے
سپنوں کو ساکار کیا ہے
ہر اک نے اس پریم شبد کا
سوچو تو بیوپار کیا ہے

انگریزی الفاظ:

دیکھیے لان کو ٹھکرا بھی گئی اڑ بھی گئی
میں نہ کہتا تھا تتلی کا بھروسہ کیا ہے
لڑکوں نے ہوسٹل میں فقط ناولیں پڑھیں
دیوانِ میرؔ طاق کے اوپر دھرا رہا

فارسی الفاظ:

آج کیوں شامِ میکدہ اداس
آج کیا میری تشنگی کم ہے
گلوں کے بیچ مانند خار میں بھی تھا
فقیر ہی تھا مگر شاندار میں بھی تھا
میں جنگ ہار کے بھی معتبر سپاہی ہوں

میری نیام میں شمشیر جو ہے میری ہے

غرض انور جلال پوری نے اپنے اشعار میں تشبیہات، استعارات اور صنعتوں کے استعمال کے ذریعے اپنے اسلوب کو دلکش و جاندار بنا کر پیش کیا ہے۔ انھوں نے مناسب تشبیہات و استعارات سے اپنی شاعری کو نیا رنگ عطا کیا ہے۔ ان کی شاعری مبہم اور غیر موزوں الفاظ سے پاک ہے۔ انھوں نے اپنے اسلوب اور ڈکشن کو نہایت سلیس انداز میں برتنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی شاعری دل کو اثر انداز کرنے کے ساتھ ساتھ غور وفکر کی دعوت بھی دیتی ہے۔ انور جلال پوری کی غزلوں میں غنائی کیفیت بھی نظر آتی ہے۔ ان کے اشعار کو ترنم کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے۔ ان کی ایک غزل کو مولوی سرفراز رونؔق نے گایا بھی ہے جو You Tube پر دستیاب ہے۔ غزل کا پہلا شعر ملاحظہ فرمائیں:

پرایا کون ہے اور کون اپنا سب بھلا دیں گے
متاعِ زندگانی ایک دن ہم بھی لُٹا دیں گے

دوسرے شعرا کے اثرات:

انور جلال پوری کی غزلیہ شاعری کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ان کے یہاں اردو کے بڑے شعرا میرؔ، غالبؔ اور اقبالؔ کے اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان کے بعض اشعار پڑھ کر خود بخود میرؔ، غالبؔ اور اقبالؔ کا تصور ذہن میں اُبھر آتا ہے۔

میر تقی میرؔ کے اثرات:

کوئی پوچھے گا جس دن واقعی یہ زندگی کیا ہے
زمیں سے ایک مٹھی خاک لے کر ہم اُڑا دیں گے

مندرجہ بالا شعر کو پڑھنے کے فوراً بعد ہمارے ذہن میں میر تقی میرؔ کا یہ شعر آ جاتا ہے:

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

اقبال کے اثرات:

انور جلال پوری کی شاعری پر سب سے زیادہ علامہ اقبال کے اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔لیکن یہ اثرات ان کی مذہبی شاعری خصوصاً ان کی مشہور نظم ''جمال محمدؐ'' پر نظر آتے ہیں۔ جہاں تک انور جلال پوری کی غزلیہ شاعری کا تعلق ہے تو یہاں بھی کہیں کہیں اقبالؔ کی پرچھائیں نظر آتی ہے:

مجھ سے اپنے بھی خفا رہتے ہیں بیگانے بھی
یا الٰہی! میری تقدیر میں لکھا کیا ہے
عمل سے کام لے تقدیر خود ہی بدلے گی
ہتھیلیوں کی لکیروں کو دیکھتا کیوں ہے

زبان و بیان:

انور جلال پوری کو زبان و بیان پر باضابطہ دسترس تھی۔ان کے اشعار میں جس زبان و بیان سے کام لیا گیا ہے وہ صاف، سلیس، رواں اور شیریں ہے جو انور جلال پوری کی شاعری کا ایک خاص اسلوب ہے۔انھوں نے اپنے اسلوب میں نرمی اور دھیما پن اپنایا۔لب و لہجہ دل پذیر ہے جو خاموشی سے اپنا کام کرنا جانتا ہے۔انور جلال پوری نے کبھی جدیدیت کی یلغار میں آکر مشکل و مبہم علامتیں اور استعارات کو استعمال نہیں کیا بلکہ صاف سلیس اور بامحاورہ الفاظ میں اپنی بات کو قارئین تک پہنچانے کی کوشش کی۔ وہ جس مضمون کی بندش کرتے اسے قافیہ و ردیف کی حدوں میں رہ کر نہایت خوش اسلوبی سے ادا کرتے تھے۔ان کی زبان معیاری اور مستند ہے۔اس میں تکلف اور تصنع نہیں ہے۔انور جلال پوری کا اسلوب

سیدھا سادہ اور آسان ہے لیکن اس میں فکر کی گہرائی ہے جو ان کے اسلوب کو منفرد بناتی ہے۔ بقول حبیبؔ ہاشمی:

''انورؔ ایک ذہین، سنجیدہ اور باصلاحیت شاعر ہیں۔ ان کے لہجے میں چند لہجوں کی دھمک ضرور ہے مگر وہ پھر بھی اپنے لہجے اور اسلوبیاتی انفرادیت کے اعتبار سے تنہا نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری کو انفرادیت بخشنے میں ان کی سادہ لوحی، شرافت نفسی اور ان کے سینے میں دوسروں کے غموں میں دُکھتا ہوا دل ہے۔ وہ زندگی کے رموز و انجام سے بخوبی واقف ہیں۔ میں نے ان کی گفتگو میں کبھی تلخی نہیں پائی ہے۔'' [۴]

تحریک سے وابستگی:

انور جلال پوری ترقی پسند رویے کے قائل تھے۔ ان کے یہاں وجودیت کا پہلو بہت کم نظر آتا ہے۔ انھوں نے اجتماعی معاملات و مسائل کو اپنی شاعری میں جگہ دی۔ وہ زمانے اور وقت سے کبھی بے گانہ نہیں رہے۔ انھیں اپنے وطن اور قوم کی زندگی کا ہمیشہ خیال رہا۔ انھوں نے قومی زندگی کو ہمیشہ حساس انداز میں پیش کیا۔ ان کی شاعری میں روزمرہ زندگی کے حالات و واقعات، سماجی بکھراؤ، درد و غم، حسن و عشق جیسے موضوعات دکھائی دیتے ہیں۔ انور جلال پوری ترقی پسند تحریک کے نعرے ''ادب برائے زندگی'' پر عمل کرتے ہوئے اپنے اشعار کے ذریعے قاری کو زندگی کی حقیقت سے روشناس کراتے ہیں۔ انھوں نے اپنے اشعار میں مشکل و مبہم علامتیں اور استعارات کا استعمال نہیں کیا بلکہ صاف، سلیس اور بامحاورہ الفاظ میں اپنی بات قارئین تک پہنچانے کی کوشش کی۔ وہ عوام سے عوام کے لہجے میں گفتگو کرتے ہیں۔

دنگا، فساد، خون کا بیوپار، رہزنی
بے کار شہریوں کا یہی کام کاج ہے
پہلے لوگوں میں محبت تھی ریاکاری نہ تھی
ہاتھ اور دل دونوں ملتے تھے اداکاری نہ تھی
ہوا ہو تیز تو شاخوں سے پتے ٹوٹ جاتے ہیں
ذراسی دیرمیں برسوں کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں
ہردم آپس کا جھگڑا میں بھی سوچوں تو بھی سوچ
کل کیا ہوگا شہر کا نقشہ میں بھی سوچوں تو بھی سوچ

*****

حواشی

۱ خوشبو کی رشتہ داری، از انور جلال پوری/ص:24

۲ ایضاً ص:24

۳ تفہیم البلاغت، از واہاب اشرفی/ص:124

۴ بحوالہ مضمون: انور جلال پوری کی شاعری کا اجمالی مطالعہ، از حبیب ہاشمی،
خوشبو کی رشتہ داری/ص:19-18

ماحصل

زمانہ قدیم سے لے کر آج تک اردو غزل مختلف رنگوں اور کیفیتوں سے آراستہ ہوتی رہی ہے۔ زمانہ قدیم میں اگرچہ غزل میں صرف عشق و عاشقی کے ترانے گائے جاتے تھے مگر زمانے کے ساتھ اس میں تبدیلی رونما ہوتی رہی اور موضوعات میں تہہ داری آتی رہی جس کی وجہ سے غزل کا اثر زندگی کے ہر شعبے پر پڑا۔ اردو کے تقریباً ہر شاعر نے غزلیں لکھی ہیں اور اپنے اپنے ادراک سے اس میں نئے نئے خیالات کو پیش کیا ہے اور غزل کی روایت کو نہ صرف مستحکم کیا بلکہ آگے بھی بڑھایا ہے۔ اسی روایت کو آگے بڑھانے والوں میں ایک نام انور جلال پوری کا ہے۔ جن کی اصل شہرت نظامت سے ہوئی لیکن میری تحقیق نے انھیں اچھا غزل گو شاعر بھی ثابت کیا۔ انور جلال پوری نے اپنی غزلوں میں اپنے عہد کے خیالات اپنے عہد کے درد و کرب، فکر و سوچ، فلسفۂ زندگی کو اس طرح ضم کیا ہے کہ ان کی غزلیں آفاقی نظر آتی ہیں۔

انور جلال پوری کا اصل نام ''انور احمد'' تھا۔ وہ 8 مئی 1946 میں قصبہ جلال پور امبیڈکر نگر اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام محمد ہارون اور والدہ کا نام افضل النسا تھا۔ انور جلال پوری کی شخصیت کو نکھارنے میں ان کے والد کا اہم رول رہا ہے۔ انھوں نے پرائمری تعلیم مدرسہ اسلامیہ جلال پور سے حاصل کی۔ اس کے بعد نریندر دیو انٹر کالج سے انٹرمیڈیٹ پاس کیا۔ نریندر دیو انٹر کالج سے ہی انھوں نے 1960 میں اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا۔ اس کے بعد 1964 میں انھوں نے شبلی کالج اعظم گڑھ میں داخلہ لیا۔ 1966 میں گریجویشن مکمل کرنے کے بعد انور جلال پوری نے اپنی دلچسپی اور والدین کی خواہش پر علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں داخلہ لیا اور انگریزی میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ مختلف اسکولوں میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آخر کار ان کا

تقرر نریندر دیوانٹر کالج میں بہ حیثیت لیکچرر ہوا۔ ان کا انتقال 2 جنوری 2018 میں برین ہیمرج کی وجہ سے ہوا۔

انور جلال پوری کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں۔ لیکن نظامت کا فن ان کی شخصیت کے تمام پہلوؤں پر حاوی نظر آتا ہے۔ انھوں نے نہ صرف ہندستان بلکہ دنیا کے متعدد ممالک میں مشاعروں کی نظامت کے فرائض بخوبی انجام دیے۔ وہ شہرہ آفاق ناظم تھے۔ انور جلال پوری مشاعروں کی نزاکتوں سے بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے ہر طرح کے مشاعرے کو بڑی کامیابی کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچایا ہے۔ خواہ وہ عوامی مشاعرے ہوں یا خواص کے مشاعرے۔ یہی چیز عوام وخواص میں ان کی شہرت و مقبولیت کا باعث بن گئی۔

جہاں تک انور جلال پوری کی شاعری کا تعلق ہے۔ انھوں نے اس میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیے۔ انور جلال پوری کی غزلوں کے اب تک تین مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ پہلا مجموعہ ''کھارے پانیوں کا سلسلہ'' (1984) میں شائع ہوا۔ دوسرا مجموعہ ''خوشبو کی رشتہ داری'' (2000) میں وجود میں آیا۔ ان دو مجموعات کے علاوہ انور جلال پوری کا تیسرا مجموعہ ''جاگتی آنکھیں'' (2008) میں منظر عام پر آ چکا ہے۔ مگر یہ مجموعہ دیوناگری رسم الخط میں ہے۔

غزلیہ شاعری کے علاوہ انور جلال پوری کے یہاں نعتیہ کلام کے مجموعات بھی پائے جاتے ہیں۔ ان کے اب تک دو نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں ''حرف ابجد'' (2010) اور ''بعد از خدا'' (2010) شامل ہیں۔ نعتیہ شاعری کے ساتھ ساتھ انور جلال پوری نے منظوم سیرت نگاری میں طبع آزمائی کرتے ہوئے ''جمال محمدؐ'' اور ''راہرو سے رہنما تک'' جیسی تصانیف کو پیش کیا۔ جن میں انھوں نے رسول اکرمؐ اور خلفائے راشدین کی سیرت کو پیش کیا۔

اردوادب میں انور جلال پوری کا سب سے بڑا اضافہ منظوم تراجم ہیں۔ دنیا کے عظیم لٹریچر کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔ جن میں سنسکرت کی عظیم کتاب ''گیتا'' کا نام سرفہرست ہے۔ انور جلال پوری نے اس مقدس کتاب کا ترجمہ ''اردو شاعری میں گیتا'' کے نام سے کیا۔ اس کے علاوہ انور جلال پوری نے بنگلہ ادب کی نوبل انعام یافتہ کتاب ''گیتانجلی'' کا منظوم ترجمہ بھی اردو میں کیا۔ سنسکرت اور بنگالی کے علاوہ انور جلال پوری نے فارسی سے رباعیات خیام اور عربی سے قرآن کریم کے پارۂ عم کا منظوم ترجمہ بھی کیا ہے۔ اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انور جلال پوری نے دوسری زبان اور دوسرے کلچر کو اردو میں شاعری کے ذریعے متعارف کرایا۔ وہ دو زبانوں اور دو تہذیبوں کے درمیان ایک پل کا کام کر رہے تھے۔ انھوں نے گیتا اور پارۂ عم کا ترجمہ کر کے دوسرے مذاہب کو سمجھنے کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کرایا۔

انور جلال پوری ناظمِ مشاعرہ، شاعر و مترجم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صاحب طرز نثر نگار بھی تھے۔ ان کی نثری تصانیف میں ''روشنائی کے سفیر''(2009)، ''قلم کا سفر''(2013) اور ''سفیران ادب''(2013) شامل ہیں۔ انور جلال پوری کے یہاں ایک اور مجموعہ ''اپنی دھرتی اپنے لوگ''(2010) پایا جاتا ہے۔ مگر یہ مجموعہ دیوناگری رسم الخط میں ہے۔

انور جلال پوری کی غزلیہ شاعری کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انھوں نے اپنی غزلوں میں زندگی کی حقیقتوں کی سچی تصویر کشی کی ہے۔ انھوں نے اپنے اردگرد کے حالات و واقعات اور زندگی کے داخلی و خارجی حالات کو اپنے اشعار میں پیش کیا ہے۔ زبان کی شائستگی، مضامین کا تنوع، تہذیب و تمدن کی چاشنی، انسانیت کا احترام اور عقیدت، اسلوب اور لہجے کی طرح داری، تشبیہات اور ترکیبوں کی ندرت، لہجے کی شیرنی اور متانت وغیرہ جیسی ان سب صفات نے انور جلال پوری کی غزلیہ شاعری کو وقار بخشا۔

انور جلال پوری کے یہاں موضوعات کا تنوع دیکھنے کو ملتا ہے۔ وہ اپنے اشعار کے ذریعہ قاری کو زندگی کی حقیقت سے روشناس کراتے ہیں۔ انھیں اپنے وطن سے محبت بھی ہے اور اپنے ماضی سے لگاؤ بھی۔ انور جلال پوری کو روایت سے کٹ جانے کا دکھ بھی ہے اور حال سے مایوس بھی نظر آتے ہیں۔ قدروں کی پامالی، رشتوں کا بکھراؤ، گھریلو حالات، سماج میں انتشار، ماضی کی یاد، جبر واستحصال، عام انسان کی پریشانیاں، مادہ پرستی، فرقہ وارانہ فسادات وغیرہ جیسے موضوعات انور جلال پوری نے اپنی غزلوں میں پیش کیے ہیں۔ بنیادی طور پر دیکھا جائے تو ان کی شاعری میں جن موضوعات کو زیادہ اہمیت حاصل ہے وہ یوں ہے عشقیہ موضوعات، سیاسی موضوعات، مذہبی موضوعات، دنیا کی بے ثباتی، سماجی موضوعات، قومی یکجہتی، یاد ماضی وغیرہ۔

عشقیہ موضوعات کے ضمن میں اگر چہ ان کے یہاں بہت سارے اشعار ہجر کے موضوع پر ملتے ہیں لیکن ان کی خوبی یہ ہے کہ وہ اس ہجر میں روتے نہیں اور نہ ہی مایوس ہوتے ہیں بلکہ ہمت اور حوصلے سے کام لیتے ہوئے اسے اپنی طاقت بناتے ہیں۔ وہ اپنے محبوب کی ستم ظریفی کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ اس حوالے سے شعر ملاحظہ فرمائیں۔

میں خوش ہوں میرے واسطے وہ بن کے بے وفا
میری تمام سوچ کو گہرائی دے گیا

انور جلال پوری گہرا سیاسی شعور رکھتے تھے۔ وہ ملک کے حکمراں طبقے پر نظر ڈالتے ہوئے بے زار ہو کر انھیں اپنے طنز کا نشانہ بناتے ہیں۔ وہ عام قاری کو باخبر کرنا چاہتے ہیں کہ حکمراں طبقہ اقتدار سے پہلے اپنے فائدے کے لیے عوام میں مذہب کے نام پر انتشار پیدا کرتا ہے لیکن اقتدار میں آتے ہی عوام کے ساتھ ان کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے اور ان کے ظلم و جبر کا دور شروع ہوتا ہے۔

دنگا، فساد، خون کا بیوپار، رہزنی
بے کار شہریوں کا یہی کام کاج ہے

انور جلال پوری کو اپنے سماج سے غیر معمولی لگاؤ تھا۔انھوں نے اپنی شاعری میں موجودہ دور کے کئی مسائل پر روشنی ڈالی ہے جن میں رشوت خوری، سماجی بکھراؤ، تہذیبی قدروں کی پامالی، رشتوں کی پامالی، خاندانی شیرازہ کا انتشار، کسانوں کے مسائل، فرد کے انفرادی مسائل، وغیرہ شامل ہیں۔انور جلال پوری نے اپنی شاعری کے ذریعہ ہندستان کی صدیوں پرانی گنگا جمنی تہذیب، اتحاد اور بھائی چارے کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے۔اس تناظر میں ایک شعر ملاحظہ فرمائیں۔

ہم قومی ایکتا کے راہی ہم کیا جانیں جھگڑا بابا
اپنے دل میں سب کی الفت اپنا سب سے رشتہ بابا

انور جلال پوری کے یہاں جہاں ایک طرف موضوعات کا تنوع نظر آتا ہے وہیں دوسری طرف ان کے یہاں اسلوب وتکنیک میں بھی جدت نظر آتی ہے۔انور جلال پوری کو زبان و بیان پر بھرپور قدرت حاصل تھی۔ان کا اسلوب صاف وشفاف اور واضح ہے۔انھوں نے اپنی شاعری کو دلکش بنانے کے لیے کئی صنعتوں کا استعمال کیا ہے جن میں استعارہ، تشبیہ، تلمیح، صنعت تکرار، حسن تعلیل، صنعت تعجب، مراۃ النظیر، تجنیس تام وغیرہ شامل ہیں۔ان کی شاعری مبہم اور غیر موزون الفاظ سے پاک ہے۔انھوں نے اپنے اسلوب اور ڈکشن کو نہایت سلیس انداز میں برتنے کی کوشش کی ہے۔ان کی شاعری دل کو اثر انداز کرنے کے ساتھ ساتھ غور وفکر کی دعوت بھی دیتی ہے۔انور جلال پوری کی غزلوں میں غنائی کیفیت بھی نظر آتی ہے۔

انور جلال پوری کو زبان و بیان پر باضابطہ دسترس تھی۔ان کے اشعار میں جس زبان و بیان سے کام لیا گیا ہے وہ صاف، سلیس، رواں اور شیریں ہے جو انور جلال پوری کی شاعری کا ایک خاص اسلوب

ہے۔انھوں نے اپنے اسلوب میں نرمی اور دھیما پن اپنایا۔لب ولہجہ دل پذیر ہے جو خاموشی سے اپنا کام کرنا جانتا ہے۔انور جلال پوری نے کبھی جدیدیت کی یلغار میں آ کر مشکل ومبہم علامتیں اور استعارات کو استعمال نہیں کیا بلکہ صاف سلیس اور بامحاورہ الفاظ میں اپنی بات کو قارئین تک پہنچانے کی کوشش کی۔وہ جس مضمون کی بندش کرتے اسے قافیہ وردیف کی حدوں میں رہ کر نہایت خوش اسلوبی سے ادا کرتے تھے۔ان کی زبان معیاری اور مستند ہے۔اس میں تکلف اور تصنع نہیں ہے۔انور جلال پوری کا اسلوب سیدھا سادہ اور آسان ہے لیکن اس میں فکر کی گہرائی ہے جو ان کے اسلوب کو منفرد بناتی ہے۔بقول حبیبؔ ہاشمی:

''انورؔ ایک ذہین، سنجیدہ اور باصلاحیت شاعر ہیں۔ان کے لہجے میں چند لہجوں کی دھمک ضرور ہے مگر وہ پھر بھی اپنے لہجے اور اسلوبیاتی انفرادیت کے اعتبار سے تنہا نظر آتے ہیں۔ان کی شاعری کو انفرادیت بخشنے میں ان کی سادہ لوحی، شرافت نفسی اور ان کے سینے میں دوسروں کے غموں میں دُکھتا ہوا دل ہے۔وہ زندگی کے رموز وانجام سے بخوبی واقف ہیں۔میں نے ان کی گفتگو میں کبھی تلخی نہیں پائی ہے۔''

(بحوالہ مضمون: انور جلال پوری کی شاعری کا ایک اجمالی مطالعہ/حبیبؔ ہاشمی، خوشبو کی رشتہ داری/ص:19-18)

الغرض انور جلال پوری کی غزلوں کی مذکورہ بالا خصوصیات کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انور جلال پوری ایک کامیاب شاعر تھے۔انھوں نے سماج میں رونما ہونے والے تمام حالات وواقعات کو اپنی غزلوں کا موضوع بنا کر قاری کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ قاری ان کا ہم خیال بن جاتا ہے۔انور

جلال پوری اسلوب اور تکنیک میں بھی کامیاب نظر آتے ہیں۔غرض ان کی غزلوں کے مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ان کی غزلیں اردو ادب میں ایک شاندار اضافہ ہے۔

کتابیات

نمبرشمار	مصنف کا نام	تصنیف	ناشر	سنہ اشاعت
1	انور جلالپوری	کھارے پانیوں کا سلسلہ	قمر پریس سکروال	1984
2	ایضا	خوشبو کی رشتہ داری	پیغام پبلی کیشنز، اردو بازار جلال پور، امبیڈ کرنگر	2000
3	ایضا	جاگتی آنکھیں	تنویر پریس، لال بنگلہ لکھنؤ	2008
4	ایضا	روشنائی کے سفیر	کیشو پرکاشن، الہ آباد	2009
5	ایضا	راہرو سے رہنما تک	نعمانی پرنٹنگ پریس، گولہ گنج لکھنؤ	2010
6	ایضا	اردو شاعری میں گیتا	نعمانی پرنٹنگ پریس، گولہ گنج لکھنؤ	2012
7	ایضا	سفیران ادب	کلاسک آرٹ پریس، دہلی	2013
8	ایضا	اردو شاعری میں گیتانجلی	عرشیہ، پبلی کیشنز، دہلی	2014
9	ایضا	ادب کے اکشر	کلاسک آرٹ پریس دہلی	2014
10	اسلم الہ آبادی۔ڈاکٹر	انور جلالپوری: شخصیت اور ادبی جہات	کیشو پرکاشن، الہ آباد	2009
11	جان نثار عالم۔ڈاکٹر	انور جلالپوری: ادب کے آئینے میں	عرشیہ، پبلی کیشنز، دہلی	2015

رسائل اور اخبارات:

رسائل:

1۔اردو دنیا،فروری،2018

2۔ماہنامہ نیادور، جولائی،2018

3۔پیش رفت، مئی،2018

4۔ماہنامہ آجکل،فروری،2018

5۔سہ ماہی ادبی نشیمن، مارچ2018 تا مئی2018

6 ۔سہ ماہی انتساب،جنوری2018 تا مارچ2018

7۔ماہنامہ منہاج القرآن، مارچ2016

اخبارات:

1۔اودھ نامہ،4 جنوری2018

2۔اودھ نامہ،16 جولائی،2018

3۔اودھ نامہ،5 جولائی،2018

4۔اودھ نامہ،2 جنوری،2019

5۔اودھ نامہ،3 جنوری،2019

6۔ہماری زبان، ہفتہ واراخبار،14-8فروری

7۔جدید مرکز، ہفتہ واراخبار13-7 جنوری

8۔تہلکہ ٹائمز،روز نامہ،7 جنوری2018

آن لائن ویب پورٹل اور جرنلز:

1۔بصیرت آن لائن اردو نیوز پورٹل

2۔جہان اردو. کام

3۔دی وائر(اردو ڈاٹ کام)

4۔اردوسٹار نیوز،ٹوڈے

5۔چوتھی دنیا۔کام

CERTIFICATE

This is to certify that the dissertation entitled **"ANWAR JALALPURI KI GHAZLIYA SHAIRI KA FIKRI WO FUNNI MUTALIYA"** bearing Reg. No. 18HUHL09 in partial fulfillment of the requirements for the award of Master of Philosophy in Urdu is a bonafide work carried out by her under my supervision and guidance.

This dissertation has not been submitted previously in part or in full to this or any other University or Institution for the award of any Degree or Diploma.

"Countersigned"

Signature of the Supervisor

Dr. Md. Zahidul Haque

Head
Department of Urdu

Dean
School of Humanities